ISSN 0974-7346

مئی ۲۰۲۲ء

جلد ۲۰۹ — عدد ۵

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

سالانہ زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۳۵۰؍ روپے۔ فی شمارہ ۳۰؍ روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۵۵۴؍ روپے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۷۳۰؍ روپے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰؍ روپے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰؍ روپے میں دستیاب۔
ہندوستان میں لائف ممبر شپ ۱۵۰۰؍ روپے ہے۔
اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ایمیل (ساری دنیا میں) ۳۵۰ روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔
اس لئے فی الحال معارف کی ترسیل پاکستان کے لئے موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔
بینک ٹرانسفر کر کے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:
Account Name: Darul Musannefin Shibli Academy
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No.: 4761005500000051 - IFSC: PUNB0476100
بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:
Darul Musannefin Shibli Academy, Azamgarh

* زر تعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
* معارف کا زر تعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
* خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
* معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
* کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Mobile. (Ma'arif Section) 0-7607046300 / 0-9170060782
Email: info@shibliacademy.org
Website: http://www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۹ ماہ رمضان۔ شوال ۱۴۴۳ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۲۲ء عدد ۵

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱
info@shibliacademy.org

فہرست مضامین

شذرات

امروز و فردا کے وہ پیمانے جن سے اجتماعی اور فردی زندگی کی حرکت و رفتار کا تعین کیا جاتا ہے، موجودہ دور کی آزمائشوں میں یہ پیمانے بھی گویا طاق نسیاں کی نذر ہوتے جاتے ہیں۔ حال کی بدحالی اور مستقبل کی بے یقینی نے ملک و قوم کو عجب سی افسردگی بلکہ پژمردگی کی کیفیت سے جس طرح دوچار کر رکھا ہے، اس میں کسی جشن کا تصور بھی گویا مرگ انبوہ کا احساس دلاتا ہے۔ مگر گذشتہ دنوں جب اردو صحافت نے اپنی زندگی کے دو سو سال پورے کئے تو گویا ایک موقع ہاتھ آیا کہ اردو صحافت کی ابتداء وارتقاء اور اس کے مستقبل کی بقا یا اس کی عظمت رفتہ کے احیاء کے نقوش و آثار کا ذرا تفصیل سے ذکر ہو، دنیا کی البیلی زبان جس کا خمیر جذب و کشش اور محبت والفت سے تیار ہوا ہو اور جس میں دوسری زبانوں کو خود میں سمو لینے کی صلاحیت اس کے قلب کی وسعت کا پتہ دیتی ہو اور جس نے ان خوبیوں کا اظہار علم و تحقیق اور ادب و شعر کے ذریعہ بار بار کیا ہو، اس کی صحافت اس کی سرخ روئی کا سبب بنی تو کس طرح؟ شاید یہی جذبات یا ذمہ داری کے احساسات تھے جنہوں نے ہندوستان میں اردو صحافت کے ذکر اور اس کے متعلق فکر کی جانب توجہ دلائی۔ ہندوستان سے باہر بھی کیا یہ جشن منایا گیا، اس کا زیادہ علم نہیں تاہم ہندوستان میں دہلی، بھوپال، حیدرآباد وغیرہ شہروں میں ضرور انجمن آرائیوں اور بزموں کی رونق افزائیوں کی خبریں ملیں۔

***

اس جشن کے کچھ فائدے تو سامنے کی بات ہیں جیسے اردو صحافت کی ابتداء، اولین اردو اخبارات، نامور صحافیوں کا ذکر، رسائل و جرائد کے بدلتے چہرے، یہ ساری باتیں جشن کے بہانے سامنے آگئیں۔ قریب ڈیڑھ سو سال کے دور غلامی میں اردو صحافت کے نہایت جری اور بے باکانہ رویہ کو خاص طور پر یاد کیا گیا۔ کئی انجمنوں اور متعدد صحافیوں نے کوشش کی کہ موجودہ صحافتی دنیا جس بگاڑ بلکہ جس ذلت اور خود فروشی کی دلدل میں جا گری ہے، اس کو آئینہ دکھایا جائے، بتایا جائے کہ کس طرح صحافت کی نہایت محترم و مقتدر اور محبوب خدمت کے لئے عوامی زبان میں گودی میڈیا جیسا لفظ رائج ہو گیا۔ پیشے اور پیسے کے لئے کس طرح ناخوب خود کو خوب بنا کر پیش کرنے لگے۔ اسی جشن نے یہ موقع بھی دیا کہ پیشہ ور صحافت اور مبنی بر ہدایت صحافت کا تجزیہ اور موازنہ بھی کیا جائے۔ ایسی باتیں زیادہ بلند آہنگی سے کی گئیں کہ اردو صحافت کی پاکیزہ روایتوں کی بنیاد اردو قاری ہے۔ ایسے میں اردو زبان کے احیاء اور اہمیت کی فکر پہلے سے زیادہ ضروری ہے، ہندوستان میں آج بھی اردو صحافت کسی بھی زبان سے کمتر نہیں مگر اردو والوں کا احساس کمتری بھی ایک حقیقت ہے، زبان سے قوم ہے اور قوم کو بیدار و متحرک اور حالات پر نظر رکھنے اور پھر پیش بینی اور پیش بندی کے لئے صحافت کی کارگزاری اور کارکردگی اسی وقت کامیابی کی ضامن ہوگی جب اس کی زبان کو سمجھا جائے۔ اس وقت یہ احساس زندہ ہی نہیں، عمل کو قوت و توانائی بخشے گا کہ اردو صحافت نے ملک کی آزادی کے لئے

پہلی قربانی دینے اور راہ حق میں شہادت سے سرخرو ہونے کا اعزاز کیوں حاصل کیا، سرسید، شبلی، مولانا جوہر، مولانا آزاد، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، مولانا دریابادی، مولانا فارقلیط، مولانا مسلم وغیرہ جیسے جامع الکمالات، عالم، دانشور، مصنف، مورخ، محقق کیوں صحافت کے بام پر آفتاب وماہتاب بن کر نظر آتے رہے؟ اس کیوں کا جواب بھی ہے، اردو صحافت کے بارے میں عمدہ اور محققانہ کتابیں لکھی گئیں، ان محققین کی محنت اور ذوق جستجو نے مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ، عیسائی صحافیوں اور ان کے اخبارات ورسائل کا پتہ لگا کر اردو صحافت کی ہمہ گیری کا ثبوت پیش کر دیا۔ یہی نہیں، اردو صحافت کے مختلف مظاہر یعنی روزانہ، سہ روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ وغیرہ رسائل و جرائد کی وہ تصویر پیش کر دی ہے جس پر اردو والے بجا طور پر فخر وناز کر سکتے ہیں۔ فخر جن کو زیبا ہے ان میں معارف کا نام لئے جانے کا جواز ہے۔ جس نے اعلی علمی وفکری صحافت کو جن بلندیوں سے روشناس کیا، وہ بجائے خود عالمی صحافت کی گفتگو کا عنوان بننے کا حق رکھتی ہے۔

***

معارف اور حلقہ معارف کے صحافیوں کے ایک الگ طبقہ کی شناخت بھی ایک دلچسپ موضوع ہے، مثلاً مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار سچ، پھر صدق اور پھر صدق جدید کی روح میں جھانکا جائے تو نظر آتا ہے کہ یہ صحافت دین اور علم وادب کی خدمت کا دوسرا نام ہے۔ مولانا نے ایک جگہ لکھا کہ صحافت، تجارت نہیں بلکہ ایک قسم کی عبادت ہے اور عبادت تو وہی ہے جو تقدس اور پاک جذبات سے خالی نہ ہو۔ مولانا نے لکھا کہ عام خلق خدا کی خدمت کا ذریعہ اور ملک کے ذوق اور جذبات کی اصلاح کا یہی سب سے کارآمد آلہ ہے، ان کے نزدیک اصل صحافی وہی ہے جو اپنی مقبولیت کے جذبہ کو خود پر غالب نہ آنے دے، اردو صحافت نے بار بار دکھایا کہ قلم فصل کے لئے نہیں، وصل کے لئے ہے۔ وہ اس فرق کو سامنے رکھتا ہے کہ صلح وسازگاری اور چیز ہے اور خوشامد اور بزدلی شئے دیگر۔ صحافت میں ذاتیات اور پھکڑبازی کی گنجائش نہیں۔ صحافت اگر کبھی بے راہ روی یا بے سمتی کی شکار ہوئی تو معارف نے وہاں اپنا احتسابی فرض ادا کیا۔ ۱۹۲۳ء میں پنجاب کے گورنر نے اردو اور خاص طور پر پنجابی اخبارات پر تنقید کی اور نہایت طنز وتمسخر آمیز لہجے میں کہا کہ صحافت کے آزاد پیشے کے حصول کے لئے کوئی علمی و عملی پابندی نہیں اور نہ اس منصب کے لئے کسی سند اور تصدیق کی حاجت ہے۔ اس لئے یہ صحافی کاٹھ کے چند چرخوں اور پتھر کی چند سلوں اور کاغذ کے چند دستوں اور بستوں کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور فوراً ملک وملت کی زمام اپنے ہاتھوں میں لے کر رہبری اور رہنمائی کا فرض انجام دینے لگتے ہیں اور جذبات میں ہیجان اور اشتعال پیدا کرنے والے دماغ اپنی فکر اور ہمت کی بلندی وپستی کے مطابق بھڑکنے والے مواد اور مسالوں کا انتخاب کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی، کبھی خاندانی، کبھی ملکی، کبھی قومی، کبھی مذہبی اور کبھی سیاسی اختلافات کو ابھار کر قارئین کو اپنی طرف مائل ہونے پر مجبور کرتے ہیں اور اسی کا نام ان کے نزدیک قومی ہمدردی، مذہب کی حمایت اور سیاسی جدوجہد ہے۔ معارف کے نزدیک یہ تنقید کچھ حد تک صحیح ہو سکتی ہے، لیکن گورنر صاحب کی زبان سے جس طاقت اور غرور کی بو آرہی تھی

معارف نے اس کو صحافت کے درجہ بلند کے خلاف پایا۔ اس نے یاد دلایا کہ بعینہ یہی یورپ اور انگلینڈ کے اخباروں پر بھی تو صادق آتا ہے، وہاں اخبار پارٹیوں اور جماعتوں کی ملکیت ہیں یا ان کی زبان حال ہیں۔ وہ جس طرح ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں وہ اخلاق اور تاریخ کی بدترین مثالیں ہیں۔ یہاں معارف کا جوش وطنیت یا غیر ملکی دشمن کی نفرت کا اندازہ بھی خوب ہوتا ہے، البتہ اس دور کے لحاظ سے معارف نے اردو یا پنجابی صحافت کا سب سے افسوس ناک پہلوان کے کالموں میں خلاف تہذیب، اشتہارات کو بتایا۔ صحافت کے تقدس کو جس طرح کاغذ کی تجارت کرنے والوں نے پامال کیا ہے، آج اگر ۱۹۲۳ء کا قلم ہوتا تو خدا جانے یہ جملہ اور کس طرح ادا ہوتا کہ ''ملک کی اخلاقی روح کس درجہ کمزور وناتواں ہے''۔ صحافت کے تقدس اس کی غیر معمولی سماجی ذمہ داری اور اس کے نہایت طاقتور اثرات کے تعلق سے اس درجہ فکر مندی ہی اردو صحافت کی شناخت رہی ہے۔ اس لئے جب بھی کسی اخبار کی بات ہوتی تو سچائی، اعتدال، ناطر فداری کی جانب توجہ دلائی جاتی۔ مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ہمدرد کے خریداروں کی کمی کی بنا پر اس کے بند ہونے کی نوبت آئی تو معارف نے جن الفاظ میں اس کا ماتم کیا وہ دراصل اردو صحافت کی پہچان کا ذریعہ بھی بن گیا، لکھا گیا کہ ہمدرد تنہا اردو کا روزنامہ تھا جس کا اصول عوام پرستی کے سیلاب میں بہنا نہیں بلکہ اپنے مسلک پر عوام کو چلانا تھا، وہ تفریح و قہقہہ کا اخبار نہ تھا بلکہ عوام اور اردو والوں کو سیاسی مسائل سکھانے والا نصاب درس تھا، اس میں خبریں اپنی تبلیغ پروپیگنڈے اور خریداری بڑھانے کے اصول پر نہیں بلکہ ملک کو حقیقت اور واقعیت سے باخبر رکھنے کے لئے شائع ہوتی تھیں۔ اس کے مضامین معلومات سے لبریز دلائل سے معمور اور سنجیدگی ومتانت کے معیار پر پورے اترتے تھے، بازاری لطائف وظرائف، عامیانہ پھکڑپن اور بے سلیقہ الفاظ سے وہ پاک ہوتا تھا۔ کاش اردو صحافت کی قدر کی گئی ہوتی۔ اب جو آئینہ اس نے آج کی رسوا کن اور عوام دشمن اور اقتدار کی کاسہ لیس صحافت کو دکھایا ہے، اگر اس کو دیکھ کر موجودہ ہندوستانی صحافت کی نظریں جھک جائیں تو شاید یہی اردو صحافت کے دوسو سالہ جشن کا کسی حد تک حاصل ہو جائے۔

***

یہ سطریں ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ یہ افسوسناک خبر ملی کہ ڈاکٹر نادر علی خاں کا علی گڑھ میں انتقال ہو گیا، اخیر زندگی میں وہ اسلام کے مبلغ کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، لیکن کبھی وہ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے بھی نہایت نیک نام تھے، اردو صحافت کی تاریخ پر ان کی کتاب کو شہرت ووقعت ملی۔ کبھی وہ خلیل الرحمن اعظمی، جذبی، خلیق احمد نظامی، خورشید الاسلام، قمر رئیس اور محمود الٰہی جیسوں کی صف میں تھے اور نمایاں تھے۔ بعد میں وہ امیر جماعت تبلیغ مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی وغیرہ کی مجلسوں کے ہو کر رہ گئے۔ خاتمہ بالخیر کی صورتیں بھی کیا کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔

مقالات

برّصغیر میں تصنیف شدہ شعرا کے فارسی تذکروں کی ایرانی اشاعتیں

ڈاکٹر عارف نوشاہی

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد، پاکستان
naushahiarif@gmail.com

برّصغیر (ہندوستان، پاکستان، بنگلادیش) میں فارسی ادب کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو چند موضوعات ایسے ہیں جن پر یہاں خوب لکھا گیا۔ان میں ایک موضوع "تذکرہ" ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقات۔صوفیہ، علما، شعرا، امرا، خطاطین، خواتین وغیرہ کے حالات پر جس قدر کتابیں برّصغیر میں لکھی گئی ہیں، فارسی زبان کے زیر اثر دیگر خِطوں (ایران، افغانستان، وسطی ایشیا، سلطنت عثمانیہ) میں نہیں لکھی گئیں۔ یہ بذات خود ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ ایک ایسا خطّہ۔ برّصغیر۔ جس کے شمالی سرحدی علاقوں کو چھوڑ کر، باقی علاقوں میں فارسی کبھی دیسی یا مادری زبان نہیں رہی، وہاں بعض ریاستوں میں اسلامی عمل داری قائم ہوتے ہی یہ زبان اس طرح پھلی پھولی کہ نہ صرف یہاں کی علمی زبان بن گئی بلکہ فضیلت کا نشان بھی ٹھہری۔ برّصغیر کے مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا شہرہ سن کر ایران اور ماوراءالنہر (وسطی ایشیا، توران) کے علما، فضلا، شعرا اور اہل ہنر یہاں آکر اپنی تصانیف لکھنے لگے اور فرمانرواؤں اور امرا کو پیش کر کے ان سے صلہ پانے لگے۔

یہ روایت فارسی شعرا کے دستیاب پہلے تذکرے سے ہی شروع ہو جاتی ہے جب بخارا سے سدیدالدین محمد عوفی ہندوستان آتا ہے اور ۶۲۵ھ/۱۲۲۸ء میں ناصرالدین قباچہ کے مستقر "اوچ" (موجودہ پنجاب پاکستان) میں بیٹھ کر **لباب الالباب** لکھتا ہے اور اسے قباچہ کے وزیر عین الملک فخرالدین الحسین بن شرف الدین رضی الدین ابی بکر اشعری کے نام معنون کرتا ہے۔ ساتویں ہجری سے شروع ہونے والی تذکرہ نگاری کی اس روایت کا ایک تابناک ماضی ہے اور یہ روایت اب تک چلی آرہی ہے۔اس کا تازہ ترین نمونہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (۱۹۱۹۔۲۰۱۱ء) کا **تکملۃ التکملہ** (مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۲۰۰۷ء و اسلام آباد ۲۰۰۸ء) ہے جو فارسی شعرا کے تذکرے فارسی زبان میں لکھنے کی مقامی روایت کی یاد دلاتا ہے۔

راقم السطور فارسی ادب کا طالب علم ہے۔ مجھے ایران میں شائع ہونے والے برّصغیر کے فارسی متون سے، خواہ وہ کسی موضوع سے متعلق ہوں، دل چسپی رہتی ہے۔ان میں ایک بڑی تعداد برّصغیر میں تصنیف

شدہ فارسی تذکروں کی ہے۔ میں نے اپنی ذاتی دل چسپی کی بنا پر اکثر یہ تذکرے حاصل کر رکھے ہیں یا میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں برّصغیر کے وہ محققین، اساتذہ اور طلبہ، جو ایران میں اشاعتی سر گرمیوں سے چنداں واقف نہیں ہیں، ان کے علم میں یہ بات لائی جائے کہ ایران میں اب تک ہمارے کون کون سے تذکرے شائع ہو چکے ہیں۔ میں نے اس مضمون میں شعرا کے ایسے فارسی تذکروں کو موضوع بنایا ہے جو:

(الف) برّصغیر کے مقامی اور ہندی الاصل مصنفین کی تصنیف ہیں۔

(ب) غیر ہندی (ایرانی، ماوراء النہری) مصنفوں نے برّصغیر میں رہ کر تصنیف کیے یا کچھ حصہ یہاں تصنیف کیا اور واپس اپنے وطن چلے گئے اور وہاں تکمیل کی یا اپنے وطن سے تصنیف کر کے لائے اور برصغیر کے کسی حاکم یا امیر کو پیش کیے۔[1]

جہاں تک مجھے علم ہے صوفیہ کے فارسی تذکروں کا ذکر ہمیں کثیر الموضوعاتی کتابیاتی جائزوں میں تو ملتا ہے[2] لیکن ان کے بارے میں الگ سے ویسے تنقیدی، وضاحتی جائزے مرتّب یا شائع نہیں ہوئے، جیسے شعرا کے تذکروں سے متعلق ہوئے ہیں۔ شعرا کے تذکروں پر چند مستقل بالذات تحقیقی اور تنقیدی کتابیں یہ ہیں:

۱۔ اولیّت ایک پاکستانی محقق ڈاکٹر سید علی رضا نقوی (۱۹۳۳-۲۰۱۷ء) کو حاصل ہے جنھوں نے کتاب **تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان** لکھی اور یہ مؤسسہ مطبوعات علمی، تہران نے ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء میں شائع کی۔ اس میں برّصغیر پاک و ہند میں تصنیف ہونے والے شعرا کے فارسی تذکروں کا تاریخ وار جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۔ ایرانی محقق احمد گلچین معانی (۱۹۱۶-۲۰۰۰ء) کی تصنیف **تاریخ تذکرہ ہای فارسی** نام سے دانشگاہ تہران نے پہلی بار ۱۳۴۸-۱۳۵۰ش/۱۹۶۹ء-۱۹۷۱ء میں دو جلدوں میں شائع کی۔ اس میں جغرافیائی قید سے ماوراء، فارسی زبان میں لکھے گئے شعرا کے تذکروں کا مفصل تنقیدی جائزہ الفبائی ترتیب سے لیا گیا ہے۔ اس میں

---

[1] ایران میں ایسے تذکرے بھی شائع ہوئے ہیں جو اہل ایران نے ایران میں بیٹھ کر بالخصوص برصغیر کے شعرا کے بارے میں تصنیف کیے۔ مثال کے طور پر: شیعیان شکرستان ہند (تذکرہ شعرا و ادبای شیعی در شبہ قارہ ہند) تالیف و تدوین یوسف بیگ باباپور، با ہمکاری مجید صاریان و مروارید رفوگران و پریسا سنجابی، ناشر: منشور سمیر، تہران، ۱۳۹۴ش/۲۰۱۵ء۔ ایسے تذکرے ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

[2] دیکھیے سٹوری کی کتاب پر شین لٹریچر، مطبوعہ لندن، جلد ۱، حصہ ۲؛ احمد منزوی کی فہرستوارہ کتاب ہای فارسی، مطبوعہ تہران، جلد ۱۳ اور عارف نوشاہی کی کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، مطبوعہ تہران، جلد ۱۔ ان میں مطبوعہ اور مخطوطہ تذکروں کے کچھ کوائف درج ہیں۔

برّصغیر میں تصنیف ہونے والے تذکرے بھی شامل ہیں اور نہ صرف ان کے مواد اور مندرجات کے حسن و قبح پر بڑی عالمانہ رائے دی ہے بلکہ ان کی طباعتوں کے علمی معیار پر بھی کھل کر تبصرہ کیا گیا ہے۔

۳۔ محمد ابصار احمد نے **تعارف تذکرہ ہای شعرای فارسی نوشتہ در ہند از آغاز تا دورۂ محمد شاہ بادشاہ دہلی** عنوان سے سندی مقالہ برائے ایم فل ڈاکٹر نصیر احمد صدیقی کی راہ نمائی میں لکھا اور ۱۹۹۴ء میں شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو پیش کیا[۳]۔ اس کے باب اول میں معروف تذکرے، باب دوم میں نودریافت تذکرے، ضمیمۂ اول میں گلدستے اور ضمیمۂ دوم میں انتخابات کا ذکر کیا ہے۔ جائزہ نگار نے کئی ایسے تذکرے بھی اپنے سندی مقالے میں شامل کر لیے ہیں جو "نوشتہ در ہند" نہیں ہیں، جیسے ملک شاہ حسین غیاث سیستانی کا خیر البیان (ص ۵۳)؛ میرزا محمد طاہر نصرآبادی کا تذکرہ نصرآبادی (ص ۶۸)۔ اسی طرح کتاب کے باب دوم میں جن تین نودریافت تذکروں کا ذکر کیا گیا ہے (مذکر الاحباب، ترجمہ مجالس النفایس از نامعلوم، چار باغ، ص ۱۰۳-۱۰۵) وہ بھی "نوشتہ در ہند" نہیں ہیں۔

۴۔ **تذکرہ نویسی در زبان فارسی** مرتّبہ ڈاکٹر آزرمیدخت صفوی (مطبوعہ علی گڑھ، ۲۰۱۲ء)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا دو جلدی مجموعہ ہے۔ اس میں صوفیہ اور شعرا کے تذکروں پر مختلف مقالہ نگاروں کے انفرادی مقالے ہیں۔

۵۔ ایک اور کتاب **آزاد بلگرامی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند** تألیف ذوالفقار علی انصاری (مطبوعہ دہلی، ۲۰۱۸ء) اگرچہ آزاد بلگرامی سے متعلق ہے لیکن اس میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان میں فارسی تذکرہ نویسی پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۶۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ کی کتاب **شعرائے اردو کے اوّلین تذکرے** (مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۷۸ء) میں اردو گو شعرا کے ایسے تذکرے زیر بحث آئے ہیں جو فارسی میں لکھے گئے۔

۷۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب **اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری** (مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۹۸ء)، اگرچہ بنیادی طور پر اردو شعرا کے تذکروں کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے لیکن اس میں فارسی زبان میں لکھے گئے اردو شعرا کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

برّصغیر میں شعرا کے تذکروں کی تصنیف کے ساتھ ساتھ ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام بھی ہوا ہے۔ ابتدائی دور میں کچھ تذکرے علمی تدوین کے بغیر شائع ہوتے رہے، لیکن آہستہ آہستہ علمی ترتیب و تدوین کے ساتھ اشاعت بھی شروع ہو گئی۔ ایران کی قومی زبان فارسی ہے اور وہاں فارسی ادب سے دل چسپی، توجہ اور سرپرستی ایک طبعی امر بلکہ ملکی پالیسی ہے۔ اہل ایران کی دل چسپی کے وسیع دائرے میں برّصغیر میں تخلیق

---

[۳] اس سندی مقالے کی پی ڈی ایف راقم السطور کے پاس ہے۔

ہونے والا فارسی ادب اور بالتبع فارسی شعرا کے تذکرے بھی شامل ہیں۔اس لیے وہاں برّصغیر میں تصنیف ہونے والے تذکروں سے اعتنا کا ایک خاص رجحان پایا جاتا ہے۔ایران میں نہ صرف برّصغیر میں پہلی بار طبع ہونے والے تذکرے از سر نو تدوین ہو کر دوبارہ طبع ہوئے، بلکہ کچھ تذکرے برّصغیر سے پہلے وہاں شائع ہوئے۔

ایران میں برّصغیر کے تذکروں کی اشاعت پہلوی دور حکومت (۱۹۲۵-۱۹۷۹ء) میں شروع ہو چکی تھی۔شبلی نعمانی کی **شعرالعجم** اگرچہ اردو زبان میں ہے اور تذکرے سے زیادہ فارسی شاعری کی تاریخ و تنقید ہے، اس کی چوتھی جلد کا فارسی ترجمہ تہران سے ۱۳۱۴ش/۱۹۳۵ء میں چھپ گیا تھا۔چوتھی جلد کے ترجمے کی اشاعت کو مترجم نے کسی وجہ سے پہلی جلدوں کے ترجمے پر مقدّم رکھا۔باقی جلدیں بھی ۱۳۱۸ش/۱۹۳۹ء تا ۱۳۳۶ش/۱۹۵۷ء چھپ گئی تھیں۔

اگر ہم اصلاً فارسی تذکروں کی بات کریں تو ایران سے شائع ہونے والے برّصغیر کے مصنفین کے اولین تذکرے کشمیر سے متعلق ہیں۔ پہلا تذکرہ **ایران صغیر یا تذکرہ شعرای پارسی زبان کشمیر** تصنیف خواجہ عبدالحمید عرفانی (۱۹۰۷-۱۹۹۰ء) ہے۔اس کتاب کی جو اشاعت راقم کے پیش نظر ہے وہ کتابفروشی ابن سینا، تہران کی ہے اور اس پر طبع دوم بہمن ماہ ۱۳۳۵ش (مطابق فروری ۱۹۵۷ء) لکھا ہوا ہے۔اس تذکرے کی ایرانی طبع اول راقم کی نظر سے نہیں گذری اور نہ ہی ایرانی فہرستوں میں اس کا ذکر آیا ہے[۴]۔کشمیر کے شعرا کا دوسرا تذکرہ **برگزیدۂ از پارسی سرایان کشمیر** تصنیف گردھاری لال ٹیکو ہے جو انجمن ایران و ہند، تہران نے ۱۳۴۲ش/۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔

ایران میں برّصغیر کے مصنفین کی تصانیف بالخصوص تذکروں کی اشاعت کا غالب رجحان اسلامی انقلاب (۱۹۷۹ء) کے بعد دیکھنے میں آیا۔حال ہی میں ایران سے ایک کتابیاتی جائزہ شائع ہوا ہے: **کتاب شناسی متون چاپ شدہ در ایران (از سال ۱۲۲۳ قمری تا ۱۳۹۰ شمسی)**، جلد اول: کتاب ہای فارسی، بہ کوشش محمود طیّار مراغی و سید سعید میر محمد صادق، ناشر: میراث مکتوب و سازمان اسناد و کتابخانہ ملی جمہوری اسلامی ایران، تہران، ۱۳۹۸ش۔اس کتاب میں ۱۸۱۸ء تا ۲۰۱۱ء ایران میں شائع ہونے والے متون کی فہرست درج ہوئی

---

[۴] خانبابا مشار نے فہرست کتاب ہای چاپی فارسی (مطبوعہ بسرمایہ مولف، تہران، بہمن ۱۳۵۰ش/۱۹۷۱ء، ج۱، ص ۶۲۰؛ طبع دیگر بسرمایہ بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۵۲ش/۱۹۷۳ء، ج۱، ص ۴۱۵ (یہاں کتاب کا نام ''ایران صغیر یا تاریخ ادبیات فارسی در کشمیر'' چھپا ہے) میں صرف دوسرے ایڈیشن کا ذکر کیا ہے اور یہی انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

ہے اور اس سے ہمارے موقف کی تایید ہوتی ہے۔

اس مضمون میں شعرا کے تذکروں کا مفصل تعارف یا ان پر تنقید و تبصرہ مقصود نہیں ہے۔اس کے لیے ڈاکٹر نقوی اور گلچین معانی کی کتابوں سے رجوع کیا جائے۔ اس مضمون کے ذریعے ہم اپنے قارئین، بالخصوص فارسی ادب کے اساتذہ اور طالب علموں کے علم میں یہ بات لانا چاہتے ہیں کہ ایران میں ہمارے تذکروں کی اشاعت کے سلسلے میں اب تک کیا کام ہوا ہے۔ہمارا یہ مضمون، سال ۱۹۳۵ء اور ۲۰۲۱ء کے درمیانی عرصے میں شائع ہونے والے تذکروں پر مشتمل ہے۔ان میں سے اکثر ایرانی اشاعتیں راقم السطور دیکھ چکا ہے اور میری ان کے بارے میں کچھ ذاتی رائے بھی ہے جس کا اظہار متعلقہ مقام پر کر دیا گیا ہے۔ بعض تذکروں پر میرے مفصل تنقیدی تبصرے الگ شائع ہو چکے ہیں[۵]۔ یہاں چند مجموعی تاثرات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ بعض ایرانی اشاعتیں، برّصغیر کی اشاعتوں کا محض چربہ ہیں اور ان کی تدوین میں کوئی خاص نئی بات اور محنت دکھائی نہیں دیتی۔بنیادو ہی ہندو پاکستان کی اشاعتیں ہیں اور کسی نئے قلمی نسخے سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ برّصغیر کی اشاعتوں کو از سر نو ٹائپ کر کے اور اشاریوں کا اضافہ کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ایسی اشاعتوں کے لیے ایرانی مرتّبین نے عام طور پر یہ جواز پیش کیا ہے کہ انھیں برّصغیر کی اشاعت میں چند غلطیاں نظر آئیں جن کی اصلاح انھوں نے کر دی ہے (مثلاً: یوسف بیگ باباپور، آیینہ حیرت، مقدمہ، ص۹؛ علی رضا قزوہ، مقالات الشعرا، مقدمہ، بیست و چہار)۔دل چسپ امر یہ ہے کہ برّصغیر کی اشاعت کی غلطیاں درست کرتے کرتے خود ایرانی اشاعت میں اپنی غلطیاں در آئی ہیں۔ اس نوعیت کی چربہ اشاعتوں میں کسی ایرانی مرتّب نے یہ اخلاقی جرأت نہیں دکھائی کہ وہ سرورق پر لکھے کہ یہ برّصغیر کے فلاں مصحح کی اشاعت پر مبنی ہے۔ بلکہ وہ اسے اپنی کوشش کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ **سرو آزاد** کی ایک ایرانی اشاعت ایسی بھی ہے جو مکمل طور پر لاہوری اشاعت پر مبنی ہے لیکن مرتّب نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

۲۔ ایرانی مرتّبین عام طور پر برّصغیر کے تاریخی، جغرافیائی اعلام و اسماء اور بعض مقامی اصطلاحوں سے ناواقف

---

[۵] مذکر احباب تالیف سید حسن خواجہ نقیب الاشراف نثاری بخاری اگرچہ یہ ہندوستانی تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کی اولین اشاعت حیدرآباد دکن ۱۹۶۹ء سے ہوئی تھی اور میرا تبصرہ ایرانی اشاعت بہ تصحیح و تعلیقات نجیب مایل ہروی، نشر مرکز، تہران، ۱۳۷۷ش پر ہے جو مقالات عارف، مطبوعہ تہران، ۲۰۰۲ء جلد یکم میں شامل ہے۔ دیگر تبصروں کا ذکر اسی مضمون میں اپنے اپنے مقام پر ہوا ہے۔

ہونے کی وجہ سے ٹائپ یا قرائت* میں غلطیوں کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ جیسے **انیس الاحبا** میں سیتل داس کو ستیل داس اور سرب سنگھ کو سرپ سنگھ لکھا گیا ہے۔ **آفتاب عالمتاب** میں ایسی اغلاط بکثرت ہیں۔ جن کی نشان دہی میں نے اپنے جداگانہ تبصراتی مقالے میں کی ہے۔

۳۔ اگر کسی ایرانی نے برّصغیر میں پہلے سے شائع شدہ تذکرے کو از سر نو مرتّب کیا ہے تو اس تذکرے کے ایران میں دستیاب قلمی نسخوں سے ہی مدد لی ہے اور برّصغیر میں موجود نسخوں کو استعمال نہیں کیا یا ان تک پہنچ نہیں پایا جیسے میر ہاشم محدث کا مرتّبہ **سرو آزاد**۔

۴۔ بعض تذکروں کی مثالی تدوین بھی ہوئی ہے جیسے احمد گلچین معانی کا مرتّبہ **تذکرۂ میخانہ**، سعید شفیعیون کا مرتّبہ **نفائس المآثر** اور ہومن یوسفدہی کا مرتّبہ **خزانہ عامرہ**۔ ان میں تعلیقات کا شاندار اہتمام ہوا ہے۔

۵۔ بعض تذکرے اہل ہند و پاکستان نے مرتّب کیے اور برّصغیر کی بجائے ایران سے پہلی بار شائع ہوئے ہیں جیسے اختر مہدی رضوی کا مرتّبہ **خازن الشعرا** اور زین العبا اور کلیم اصغر کا مرتّبہ **سفینہ خوشگو** (دفتر اول و دوم)۔

۶۔ بعض تذکروں کی خوش بختی رہی کہ انھیں کئی ایرانی مرتّبین نے الگ الگ مرتّب کیا اور ہر مرتّب کی جداگانہ اشاعت ہے۔ جیسے **خزانہ عامرہ** کی تین مختلف اشاعتیں، **سرو آزاد**، **ریاض الشعرا** اور **ہفت اقلیم** کی دو دو مختلف اشاعتیں۔

ذیل میں جو فہرست پیش کی گئی ہے اس کی ترتیب و تدوین کے بارے میں یہ بتادینا مناسب ہے:

الف: یہ فہرست، تذکروں کے ناموں کی الفبائی ترتیب سے مرتّب ہوئی ہے۔ اگر لفظ ''تذکرہ'' کتاب کے نام کا حصہ نہیں ہے (جیسے تذکرۂ بے نظیر) تو اسے الفبائی ترتیب میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ پہلے ہر تذکرے کا عنوان اور مصنف کا نام جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔ اس کے نیچے اس کی اشاعت کے کوائف ہیں۔ اگر کسی تذکرے کی ایک سے زیادہ اشاعتیں ہیں تو زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اشاعتوں کے کوائف درج کرتے ہوئے تذکرے اور مصنف کا نام ویسا ہی لکھا گیا ہے جیسا اس اشاعت کے سرورق پر چھپا ہے۔

ب: جس کتاب کے نام پر ایک پھول * کی علامت ہے، وہ راقم السطور کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں موجود ہے اور اس سے براہ راست معلومات اخذ کی گئی ہیں۔ جس کتاب کے نام پر دو پھول ** کی علامت ہے اس کی پی ڈی ایف راقم کے پاس موجود ہے اور اسے دیکھ کر معلومات اُخذ کی گئی ہیں۔ جن کتب کے نام پر ایسی کوئی علامت نہیں ہے ان کے بارے میں ایران سے میرے فاضل دوستوں محمد خشکاب (شاہرود) اور سید وحید سمنانی (تہران) نے، جو خود چند تذکروں کے مرتّب بھی ہیں، معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس کے

* ہمارے استفسار پر فاضل مقالہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ عربی لفظ ''قراءۃ'' کو فارسی میں ''قرائت'' لکھتے ہیں (مدیر)۔

لیے ان کا ممنون ہوں۔ نیز مختلف ویب سائٹوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

ج: ایرانی ناشرین بالعموم کتابوں پر تاریخ طباعت ہجری شمسی تقویم کے مطابق لکھتے ہیں۔ بعض ناشرین شمسی تقویم کے ساتھ عیسوی سال بھی لکھ دیتے ہیں۔ ہم نے کتابوں کے ذکر میں ہجری شمسی (علامت: ش) تاریخ کو اپناتے ہوئے، اس کی عیسوی سال کے ساتھ مطابقت کر دی ہے جو بعض موقعوں میں تقریبی ہو سکتی ہے کیونکہ ایک شمسی سال میں دو عیسوی سال پڑتے ہیں۔ جن کتب پر خود ایرانی ناشرین نے عیسوی تاریخ چھاپی ہے وہ تاریخ وہاں سے لی گئی ہے۔ سنین کی یہ مطابقت محض برّصغیر کے قارئین کی سہولت کے لیے ہے۔ استناد شمسی تاریخ کو حاصل ہے۔

د: اس فہرست میں کچھ ایسی کتابوں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو مستقل بالذات "تذکرۂ شعرا" کے زمرے میں نہیں آتیں، تاہم ان کا ایک حصہ شعرا کے حالات اور کلام کے نمونے پر مشتمل ہے۔ جیسے مآثر رحیمی اور منتخب التواریخ۔

***

ایران میں شائع شدہ تذکروں کی مجمل فہرست

آفتاب عالمتاب، قاضی محمد صادق خان اختر

تذکرہ آفتاب عالمتاب*، قاضی محمد صادق خان اختر ہوگلی، جلد ۱ (باب الالف۔ باب الشین) تصحیح مرضیہ بیگ وردی؛ جلد ۲ (باب الصاد. باب الیا) تصحیح مریم برزگر، زیر نظر یوسف بیگ باباپور، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، ۲ جلد۔ اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ خاندان صفویہ، شمس آباد، ہندوستان کے پاس ہے۔ اس کا عکس رایزنی فرہنگی ایران، نئی دہلی نے ۲۰۱۲ء میں شائع کیا تھا۔ موجودہ ایرانی اشاعت اسی نسخے کی ٹایپ شدہ صورت ہے۔ یہ اغلاط سے پُر اور اشاریوں سے خالی ہے۔[۶]

آیینۂ حیرت، احمد حسین سحر کاکوروی

یہ دو مختلف مجموعوں میں شامل ہو کر شائع ہوا ہے:

---

[۶] اس اشاعت پر راقم السطور کا تبصرہ ملاحظہ ہو: "تذکرہ آفتاب عالمتاب (ایرانی اشاعت ۲۰۱۴ء پر ایک نظر)"، معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۹۹، شمارہ ۲، فروری ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۶-۱۵۴؛ اسی مضمون کا فارسی ترجمہ از شیوا امیر ہدایی، "انتقاد مشفقانہ ونہ مغرضانہ: نقدی بر تصحیح وچاپ تذکرہ آفتاب عالمتاب"، ادبیات وہنر، تہران، سال ۲، شمارہ ۶، تابستان ۱۳۹۸ش، ص ۱۲۱-۱۳۶

۱۔ دو تذکرہ فارسی از میراث شبہ قارہ: تذکرۂ آیینۂ حیرت، منشی احمد حسین کاکوروی، و تذکرۃ الشعرای جہانگیر**، جہانگیر بادشاہ، بہ کوشش یوسف بیگ باباپور و مسعود غلامیہ، ناشر: مجمع ذخائر اسلامی، قم، ۱۳۹۱ش/۲۰۱۳ء۔ آیینہ حیرت کی یہ اشاعت بھی ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کے مرتّبہ اور مطبوعہ خدابخش لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۶ء پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّبین کا کہنا ہے: ''اغلاطی چند در متن آن مشاهده می شود که ما دراین ویرایش سعی در رفع آن اغلاط وارائه متنی درست در حد توان خود بوده ایم'' (ص۱۰)۔ یعنی ڈاکٹر نعمانی کے ایڈیشن میں چند غلطیاں پائی گئیں جنھیں موجودہ اشاعت میں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ایک درست متن پیش کیا جاسکے۔ یہ اشاعت تعلیقات اور اشاریوں کے بغیر ہے۔

۲۔ تذکرۂ زنان شاعرہ در ایران وہند: جواہر العجایب از محمد فخری ہروی ہمراہ آیینۂ حیرت از منشی احمد حسین سحر کاکوروی، با مقدمہ و تصحیح مینا آقازادہ و زہرا ابراہیم او غلی خیاوی، زیر نظر یوسف بیگ باباپور، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۲ش/۲۰۱۳ء۔ یہ اشاعت بھی ڈاکٹر نعمانی کے مرتّبہ اور مطبوعہ پٹنہ ۱۹۹۶ء پر مبنی ہے۔

اختر تابان، ابوالقاسم محتشم شروانی بھوپالی

اختر تابان*، ابوالقاسم محتشم شروانی بھوپالی، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمد خشکاب، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، یہ مطبع شاہجہانی بھوپال، ۱۲۹۹ھ کی اشاعت پر مبنی ہے۔ ضمیمے میں محتشم کے ایک دوسرے تذکرے **ماہ درخشان** سے بھی کچھ شاعرات کے حالات شامل ہیں۔ مرتّب نے تعلیقات اور اشاریے کا اہتمام کیا ہے۔

انیس الاحبا، موہن لال انیس لکھنوی

تذکرۂ انیس الاحبا*، موہن لعل انیس (انیس لکھنوی)، تصحیح و تعلیقات مروارید رفوگران، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۲ش/۲۰۱۳ء، اس اشاعت میں کتابخانہ مجلس تہران (شمارہ ۸۹۳) کا ایک نسخہ اور برٹش میوزیم کے دو نسخے (Add.16807;Or.227) استعمال ہوئے ہیں۔ انوار احمد نے انیس الاحبا کا جو ایڈیشن خدابخش لائبریری پٹنہ سے ۱۹۹۶ اور ۱۹۹۹ء میں شائع کروایا تھا وہ بھی ایرانی مرتّب کے پیش نظر ہے۔ مختصر تعلیقات اور اشاریے شامل ہیں۔ بعض مقامات پر مرتّب کو متن پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اہمال کی جگہ اجمال ہونا چاہیے (ص۲۰۱) مرتّب نے اسے حاشیے میں رکھا ہے۔ نبیسہ کو نبسہ لکھا ہے (ص۲۰۱)۔ منتظم گردانید کو منظم گردانید لکھا ہے (ص۲۹۰)۔ غلام حیدر خان گداز کے حالات میں ''پند داد و بند بر پای ناز نینش نہاد''

(ص۲۹۱) میں پند داد کی جگہ بہ بند داد ہونا چاہیے۔ دیوان ذوقیہ کو دیوان دوقبہ (۶۲۶:۴۰۶)؛ غنیمت کنجاہی کو غنیمت کنخاہی (۶۲۲:۳۰۵)۔ بندر سورت کو صورت لکھا ہے (ص۳۰۵) اور مقامات کا اشاریے میں سورت کے تحت یہ صفحہ درج نہیں ہوا۔ بھگوان داس بسمل کے حالات میں ''مثنوی بیست و دویم''، مسمی بہ مظہر الانوار (ص۴۰۵) عبارت میں بیست و دویم زائد ہے۔ سیتل داس مختار کو ہر جگہ ستیل داس مختار لکھا ہے (۳۶۰، ۶۲۲)۔ ایک جگہ سکار کو درست مان کر متن میں رکھا ہے اور اس کا درست بدل 'سرکار' حاشیے میں درج کیا ہے (ص۳۶۰)۔ اسی طرح نظام خان دہلوی کا تخلص معجز ہے لیکن مرتّب نے متن میں معجر رکھا ہے اور حاشیے میں قیاس ظاہر کیا ہے کہ معجز ہو سکتا ہے (ص۳۲۹)۔

ایران صغیر یا تذکرہ شعرای پارسی زبان کشمیر، خواجہ عبدالحمید عرفانی

ایران صغیر یا تذکرہ شعرای پارسی زبان کشمیر**، خواجہ عبدالحمید عرفانی، با مقدمہ بقلم دکتر رضازادہ شفق و ناظر زادہ کرمانی، ناشر: کتابفروشی ابن سینا، تہران، طبع دوم بہمن ماہ ۱۳۳۵ش/فروری ۱۹۵۷ء، کشمیر کے اہم مسلمان اور ہندو (پنڈت) فارسی شعرا کا تاریخی ترتیب سے (از غنی تا عبدالوہاب پارسی) تذکرہ ہے۔ ابتدا میں کشمیر کے حوالے سے کئی مقدمے ہیں۔

باغ معانی، نقش علی

تذکرہ باغ معانی، نقش علی، تصحیح میر ہاشم محدث و یوسف بیگ باباپور، ناشر: منشور سمیر، تہران، ۱۳۹۴ش/۲۰۱۵ء، یہ عابد رضا بیدار کے مرتّبہ، مطبوعہ پٹنہ، ۱۹۷۷ و ۱۹۹۲ء پر مبنی ہے۔ ایرانی اشاعت تعلیقات کے بغیر ہے اور محض چند اشاریے ہیں۔

بر گزیدۂ از پارسی سرایان کشمیر، گردھاری لال ٹیکو

بر گزیدۂ از پارسی سرایان کشمیر**، گردھاری لال (لعل) تیکو، انجمن ایران و ہند، تہران، ۱۳۴۲ش/۱۹۶۳ء، اس میں کشمیر کے ۱۹۱ شاعروں کا تذکرہ اور نمونہ کلام ہے۔ ایرانی استاد ڈاکٹر محمد معین نے اس پر تقریظ لکھی ہے۔

بہارستان سخن، میر عبدالرزاق صمصام الدولہ شاہنواز خان

بہارستان سخن*، میر عبدالرزاق صمصام الدولہ مخاطب بہ شاہنواز خان، بہ تصحیح و تعلیق عبدالمحمد آیتی و حکیمہ دستر نجی، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۸ش/۲۰۱۰ء۔ ایرانی مرتّبین نے اس تذکرے کے مدراس میں ایک نسخے (شمارہ ۵۲۸) اور آصفیہ کے تین قلمی نسخوں (شمارہ ۱۲۱، ۱۹۳، ۱۷) اور مطبوعہ بہ اہتمام

میر عبدالوہاب بخاری، مدراس ۱۹۵۸ء کا ذکر کیا ہے۔ مدراس اشاعت کے بارے میں گلچین معانی نے جو رائے دی ہے وہی اس تذکرے کی دوبارہ ایرانی اشاعت کا باعث بنی۔ گلچین معانی نے لکھا ہے: "مشحون از اغلاط چاپی است بہ طوری کہ قابل استفادہ نیست۔ولی اگر بعداً بہ طبع صحیحی برسد بد تذکرہ ای نخواہد بود" (ج۱، ص۱۲۸) یعنی یہ غلطیوں سے بھرا پڑا ہے، ایسا کہ قابل استفادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر بعد میں اس کی تصحیح شدہ اشاعت ہو جائے تو بُرا تذکرہ نہیں ہو گا۔ ایرانی مرتّبین نے تعلیقات، فرہنگ نامہ اور اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔

پارسی گویان ہند وسند، ہرومل سدارنگانی

پارسی گویان ہند و سند*، ہرومل سدارنگانی، ناشر: بنیاد فرہنگ ایران، تہران، ۱۳۵۵ش/۱۹۷۶ء۔ مصنف اس سے پہلے بمبئی یونیورسٹی سے اپنا تھیسس Persian Poets of Sindh کے عنوان سے لکھ چکے تھے جو کراچی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ ۱۳۳۵ش/۱۹۵۶ء میں مصنف نے دانشگاہ تہران سے فارسی ڈاکٹریٹ کے لیے جو مقالہ لکھا اس کا نام "مختصری در تاریخ شعر فارسی در ایران و ہند و سند" رکھا جو بعد میں "پارسی گویان ہند و سند" نام سے شائع ہوا۔

تحفۃ الفصحا، چندربھان برہمن لاہوری

تحفۃ الفصحا*، چندربھان برہمن لاہوری، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات عارف نوشاہی، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۸ش/۲۰۲۰ء، یہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہان دور کے چند شعرا کا مختصر تذکرہ ہے۔ یہ اس کی پہلی اشاعت ہے۔ نسخے کی بنیاد نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی کا منحصر بفرد نسخہ (شمارہ: ادب ۱۶) ہے۔ مفصل مقدمہ، تعلیقات اور اشاریے موجود ہیں۔

تذکرۂ بی نظیر، سید عبدالوہاب افتخار دولت آبادی

تذکرۂ بی نظیر*، سید عبدالوہاب افتخار بخاری دولت آبادی، تحقیق و تصحیح امید سروری، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۹۰ش/۲۰۱۱ء۔ یہ سید منظور علی کے مرتّبہ، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۴۰ء اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمارہ ۸۶۸۸ کے قلمی نسخے پر مبنی ہے۔ تعلیقات کا اہتمام نہیں ہے۔ متعدد اشاریے لگائے گئے ہیں۔

تذکرۃ الشعرا، نورالدین جہانگیر بادشاہ

یہ ایک مجموعے میں شامل ہے: دو تذکرہ فارسی از میراث شبہ قارہ: تذکرۂ آیینۂ حیرت، منشی احمد حسین

کاکوروی، وتذکرۃ الشعرای جہانگیر**، جہانگیر بادشاہ، بہ کوشش یوسف بیگ باباپور و مسعود غلامیہ، ناشر: مجمع ذخائر اسلامی، قم، ۱۳۹۱ش/۲۰۱۳ء، یہ عبدالغنی میرزایف کے مرتّبہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء پر مبنی ہے۔ایرانی مرتّبین کا کہنا ہے: "با ویرایش صحیح و اصلاح برخی اغلاط مطبعی چاپ پاکستان از روی ھمان چاپ منتشر می شود۔تنہا تغییراتی کہ در ارائہ این متن صورت گرفتہ الفبایی نمودن عناوین شاعران و درج شمارۂ ترتیب برای ھر کدام است" (ص۴۷۔۴۸) یعنی یہ پاکستانی اشاعت پر مبنی ہے اور اُس اشاعت میں مطبع کی بعض غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔ایک تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ شعرا کے ناموں کی ترتیب جو الفبائی نہیں تھی، الفبائی کردی گئی ہے اور ان پر نمبر لگادیا گیاہے۔امر واقع یہ ہے کہ اس ایرانی اشاعت کی اپنی "اغلاط مطبعی" ہیں، جیسے حکیم میراز (ص۵۶ بجاے حکیم میرزا)، خوان احساس (ص۵۸ بجاے خوان احسان)، اوقات بہ رفاہیت می گذارنید (ص۶۱ بجاے گذرانید)، ہندال میراز (ص۶۳ بجاے ہندال میرزا)، شکیبی اصفانی (ص۶۷ بجاے اصفہانی)۔

تذکرۃ المعاصرین، محمد علی حزین لاہیجی

۱۔ بہ کوشش محمد باقر الفت اصفہانی، اصفہان، ۱۳۳۴ش/۱۹۵۵ء

۲۔ تذکرۃ المعاصرین*، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات معصومہ سالک، ناشر: دفتر نشر میراث مکتوب و نشر سایہ، تہران، ۱۳۷۵ش۔یہ دو نسخوں پر مبنی ہے؛ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی (N.M.1958-128) اور مملوکہ سید علی رضا ریحان یزدی۔آخر میں تعلیقات اور اشاریوں کا اہتمام ہے۔

جواہر العجایب، محمد فخری ہروی

یہ ایک مجموعے میں شامل ہے:

تذکرۂ زنان شاعرہ در ایران و ہند: جواہر العجایب از محمد فخری ہروی ہمراہ آیینۂ حیرت** از منشی احمد حسین سحر کاکوروی، با مقدمہ و تصحیح مینا آقازادہ و زاہرا ابراہیم او غلی خیاوی، ناشر: سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۲ش، جواہر العجایب ہارورڈ یونیورسٹی کے قلمی نسخے (شمارہ ۰۱۱۵۶۵۰۶۵) پر مبنی ہے۔

حیات خوشنویسان، محمد حسین علوی

تذکرۂ حیات خوشنویسان از محمد حسین علوی بہ پیوست احوال خطاطان از محمد بختاور خان، تصحیح و توضیح حمید رضا قلیچ خانی،، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۹۲ش/۲۰۱۳ء۔یہ خوشنویسوں کا منظوم تذکرہ ہے۔دوسرے حصے میں بختاور خان کی تصنیف مرآت العالم سے خوشنویسوں کا تذکرہ شامل کیا گیاہے۔ان میں کئی خوشنویس شاعر بھی ہیں اور ان کا نمونہ کلام دیا گیاہے۔

خازن الشعرا، محمد میرن جان محمدی الہ آبادی

تذکرہ خازن الشعرا*، محمد میرن جان محمدی الہ آبادی، بہ تصحیح اختر مہدی رضوی، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۶ش/۲۰۰۷ء، یہ برّصغیر میں مصنفین کے معاصرین اور مصنف کے خاندان محمدیہ افضلیہ یحیائیہ (الہ آباد) کے متوسلین کا تذکرہ ہے۔ یہ اشاعت منحصر بفرد قلمی نسخے مخزونہ انڈیا آفس لندن (شمارہ ۳۸۸۹) پر مبنی ہے اور کچھ اوراق مخزونہ کتب خانہ شاہ اجمل، الہ آباد سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہ اشاعت تعلیقات کے بغیر اور اشاریوں کے ساتھ ہے۔ راقم السطور نے اس پر مبنی تفصیلی تبصرہ لکھا ہے۔[ے]

خزانۂ عامرہ، میر غلام علی آزاد بلگرامی

اس کی تین مختلف اشاعتیں ہیں:

۱۔ خزانہ عامرہ*، میر غلام علی آزاد بلگرامی، تصحیح: ناصر نیکوبخت و شکیل اسلم بیگ، ناشر: پژوہشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران، ۱۳۹۰ش/۲۰۱۱ء۔ اس اشاعت کے ایک مرتّب شکیل اسلم بیگ، پاکستانی ہیں۔ یہ دو قلمی نسخوں (انڈیا آفس برٹش لائبریری لندن، شمارہ ۲۹۷۹ مکتوبہ ۱۱۸۲ھ از روے نسخہ مصنف؛ دانشگاہ تہران، شمارہ ۸۰۱۶ مکتوبہ ۱۲۵۵ھ) اور ایک مطبوعہ نسخے (نول کشور، کان پور ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) کی بنیاد پر مرتّب ہوا ہے۔ مرتّبین نے مقدمے اور اشاریوں کا اہتمام تو کیا ہے لیکن تعلیقات نہیں لکھیں۔ مقدمے میں جس عبارت کو "دستخطی الملک لچھی نارایِن اورنگ آبادی" لکھا گیا ہے (ص ہشتاد و ہشت) وہ دراصل "دستخطی لالا (لالہ) لچھمی نارایِن اورنگ آبادی" ہے۔ مرتّبین نے شفیق کے منقول نسخے کی تاریخ کو، جو صاف ۱۱۷۷ھ پڑھی جارہی ہے، نہیں پڑھا اور اس کی جگہ تین نقطے لگادیے ہیں (وہی صفحہ)۔

۲۔ خزانہ عامرہ*، میر غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی، بہ کوشش منصورہ تدیُّنی، ناشر: نشر میترا، تہران، بہار ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، مرتّب نے نولکشوری اشاعت (کانپور ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) اور دانشگاہ تہران کے ایک مغلوط متاخر قلمی نسخے سے استفادہ کیا ہے۔ اس قلمی نسخے کے کاتب کے بارے میں ایرانی مرتّب کا کہنا ہے کہ یہ بخط لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی ہے اور تاریخ کتابت ۲۵ محرم ۱۲۵۵ھ ہے (ص ۲۹)۔ شفیق ۱۲۵۵ھ سے قبل وفات پاچکے تھے۔ دراصل یہ نسخہ قادر حسین نے مذکورہ

ے۔ ملاحظہ ہو: "خازن الشعرا: اٹھارہویں۔انیسویں صدی میں ہندوستانی و ایرانی علما و شعرا کا ایک تذکرہ"، معیار، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جلد ۱، شمارہ ۱، جنوری۔جون ۲۰۰۹، ص ۱۱۶۔۹۳

تاریخ کو اُس نسخے سے نقل کیا ہے جو شفیق کا ۱۱۷۷ھ میں منقول اور دستخطی تھا۔ قرائت متن کی وافر غلطیاں ہیں۔ صرف چند ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے: اہل بیت او کو اہلیت او(ص ۳۵) اندوختند کو آموختند (۳۵) گزلک کو کذلک (۳۵)، زردوستی کو از دوستی (۳۶)، ہلال کو بلال (۳۷)، برزنجی کو برزنجنی (۳۸)، توقیفی کو توفیقی (۳۸)، عبدالعزیز لنبانی کو عبدالعزیز لبنانی (۴۳) لکھا ہے۔ ''کجا نصیب کہ چینم ز بستانش'' سوالیہ علامت کے ساتھ لکھا ہے (۱۷۹) یہ ''کجا نصیب کہ چینم گلی ز بستانش'' ہونا چاہیے۔ مرتّب نے آخر میں فرہنگ نامہ، مادّہ ہاے تاریخ اور چند دیگر اشاریوں کا اضافہ کیا ہے۔

۳۔ تذکرۂ خزانہ عامرہ*، میر غلام علی آزاد بلگرامی، تحقیق و تصحیح ہومن یوسفدہی، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، ۲ جلد۔ خزانہ عامرہ کی یہ اشاعت بقیہ دیگر دو ایرانی اشاعتوں سے مقابلۃً بہتر ہے۔ اس کی بنیاد چار قلمی اور ایک مطبوعہ نسخے پر ہے۔ نسخۂ اساس شفیق اورنگ آبادی کا مکتوبہ ۱۱۷۷ھ ہے۔ یہ نسخہ مرکز مائیکرو فلم نور کے ڈائریکٹر مہدی خواجہ پیری نے حیدرآباد دکن سے خریدا تھا۔ اس کی مائیکرو فلم، مرکز نور دہلی میں ہے۔ دوسرا نسخہ انڈیا آفس برٹش لائبریری لندن، مکتوبہ ۱۱۸۲ھ؛ تیسرا نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ HL217 مکتوبہ مابین ۱۲۰۰ و ۱۲۵۵ھ؛ چوتھا نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مکتوبہ ۱۲۳۷ھ ہے۔ مطبوعہ نسخہ نولکشور کانپور ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء ہے۔ مرتّب نے ایک فہرست کے ذریعے خزانہ عامرہ کے ۴۹ نسخوں کی نشان دہی کی ہے (ج ۱، ص صد و سیزدہ تا صد و پانزدہ)۔ اس اشاعت کی دوسری جلد صرف مفصل تعلیقات اور متنوع اشاریوں پر مشتمل ہے جس سے مرتّب کی محنت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار، میر تقی الدین محمد کاشانی

مصنف کے بارے میں ڈاکٹر علی رضا نقوی کا خیال ہے کہ وہ آخری عمر میں ایران سے ہندوستان آئے اور ۱۰۱۶ھ میں یہ تذکرہ، ابراہیم عادل شاہ ثانی فرمان رواے بیجاپور کو پیش کیا[۸]۔ لیکن احمد گلچین معانی اسے درست نہیں مانتے اور ان کا کہنا ہے کہ مصنف کبھی ہندوستان نہیں گئے اور انھوں نے بذریعہ مراسلت ہندوستان میں مقیم شعرا کے حالات اور نمونہ کلام ایران منگوایا اور اپنے تذکرے میں داخل کیا۔ گلچین معانی کا یہ قیاس ضرور ہے کہ بظاہر مصنف نے اپنے تذکرے کا کچھ حصہ یا مکمل تذکرہ انعام حاصل کرنے کے لیے

۸۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، ص ۱۲۴۔

ابراہیم عادل شاہ کو بھیجا تھا اور وہ نسخہ کسی فرنگی فہرست نویس کے ہاتھ لگا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ مصنف نے ہندوستان کا سفر کر کے یہ نسخہ بادشاہ کو پیش کیا ہے۔ اسی رائے کی ڈاکٹر نقوی نے پیروی کی ہے (ج۱، ص ۵۴۴-۵۴۳)۔ راقم السطور گلچین معانی کی رائے کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لیے اس تذکرے کی ایرانی اشاعتوں کو زیر نظر فہرست میں شامل نہیں کیا۔ لیکن یہ بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ تذکرہ بھی مختلف ایرانی مرتّبین نے مرتّب کیا اور میراث مکتوب اور سفیر اردہال نے علیحدہ علیحدہ اسے جلد وار شائع کیا ہے۔ وہ تمام حصے راقم السطور کے پاس ہیں۔

روزروشن، محمد مظفر حسین صبا

۱۔ تذکرۂ روز روشن*، محمد مظفر حسین صبا، بہ کوشش محمد حسین رکن زادہ آدمیت، ناشر: کتابخانہ رازی، تہران، ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء، یہ اشاعت مطبوعہ مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب نے اپنے کام کے بارے میں بتایا ہے: "غلط های املایی را تصحیح کردہ ام و پارہ ای اشتباهات تاریخی و لغوی متن را در حاشیہ متذکر شدہ ام" (ص 'و') یعنی املاء کی غلطیوں کی درستی کی گئی ہے اور چند ایک تاریخی اور لغوی غلطیوں کا حاشیے میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ اشاعت ہر قسم کے اشاریوں، حتی کہ فہرست شعرا سے بھی عاری ہے۔

۲۔ تاملی در تذکرہ روز روشن**، پرویز بیگی حبیب آبادی، ناشر: امیر کبیر، کتاب های جیبی، تہران، ۱۳۸۸ش/۲۰۰۹ء، کتاب کے پہلے باب میں روز روشن کا تعارف اور دوسرے باب میں اس کی بعض خصوصیات اور مفید پہلوؤں سے تلخیص اور تبصرہ ہے۔ آخر میں اشاریہ ہے۔ مصنف کے پیش نظر رکن زادہ آدمیت اشاعت ہے۔

روضۃ السلاطین، محمد فخری ہروی

تذکرہ روضۃ السلاطین**، فخری ہروی، بہ تصحیح و تحشیہ ع. [عبدالرسول] خیام پور، ناشر: موسسہ تاریخ و فرہنگ ایران، دانشکدہ ادبیات دانشگاہ تبریز، ۱۳۴۵ش/۱۹۶۶ء کتابخانہ ملی پیرس (شمارہ ۳۲۰) اور دانشگاہ استنبول، (شمارہ ۴۰۹۷) کے قلمی نسخوں پر مبنی ہے۔ مرتّب نے تعلیقات اور فہرست شعرا کا اہتمام کیا ہے۔

ریاض الشعرا، علی قلی خان والہ داغستانی

۱۔ تذکرہ ریاض الشعرا*، علی قلی والہ داغستانی، مقدمہ، تصحیح و تحقیق محسن ناجی نصر آبادی، ناشر: اساطیر، تہران، ۱۳۸۴ش، ۵ جلد، پانچویں جلد صرف اشاریوں کے لیے مخصوص ہے۔ ایرانی مرتّب نے

تین قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے: کتابخانہ ملک، تہران دو نسخے، شمارہ ۴۳۰۱ اور ۴۳۰۴؛ آستان قدس رضوی مشہد شمارہ ۱۲۲۹۰۔ مرتّب کے پیش نظر ڈاکٹر شریف حسین قاسمی کا مرتّبہ ریاض الشعرا، جلد اول، مطبوعہ رضا لائبریری رام پور، ۲۰۰۱ء بھی تھا۔ قرائت متن کی صحت کے بارے میں کوئی مجموعی رائے تبھی دی جاسکتی ہے جب مرتّب کے زیر استعمال نسخے سامنے ہوں اور اِس مطبوعہ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ تاہم ایرانی مرتّب نے جن چند قلمی صفحات کے عکس دیئے ہیں ان سے مرتّب کی قرائت کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ کچھ تسامحات ضرور ہیں۔ جیسے نسخۂ ملک ۴۳۰۱ کے ترقیمے میں ایک ترکیب ''گلزار سنگ خارا'' استعمال ہوئی ہے جسے مرتّب نے گلزار سینگ [گلزار سنگھ] پڑھ کر اسے نسخے کا کاتب قرار دیا ہے (ج۱، ص۴۹، ۵۲)۔ یا ترکیب ''ہوش ربای صبر دشمن'' کو ہوش ربای خرد بہ یمن پڑھا ہے (ج۱، ص ۵۲)۔ حُدی سرایان کو جدی سرایان پڑھا ہے (ج۱، ص۶۶) اور حدی سرایان کو حاشیے میں رکھا ہے۔ ''در ورطہ ہلاکت نینداختی'' کو در ورطہ ہلاکت انداختی پڑھا ہے (ج۱، ۶۶)

۲۔ تذکرہ ریاض الشعرا، علی قلی والہ داغستانی، تصحیح مقدمہ و فہرست ہا ابوالقاسم رادفر و گیتا اشیدری، ناشر: پژوہشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران، ۱۳۹۱ش، ۲ جلد؛ مرتّبین نے پانچ قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے: کتابخانہ ملک، تہران، شمارہ ۴۳۰۱؛ برٹش میوزیم شمارہ ۴۲۶۳ و ۱۶۷۲۹، گنج بخش اسلام آباد شمارہ ۲۶۰۹؛ آصفیہ حیدر آباد شمارہ ۱۲۰۔ تعلیقات کے بغیر ہے اور چند اشاریوں کا اہتمام ہوا ہے۔

ریاض الوفاق، ذوالفقار علی مست بنارسی

ملخص ریاض الوفاق*، ذوالفقار علی مست، تلخیص از ع. [عبدالرسول] خیام پور، ناشر: تبریز، تیرماہ ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء، ریاض الوفاق کے نسخۂ پبلک لائبریری برلن، شمارہ ۶۶۵ کی تلخیص ہے۔ ایرانی مرتّب نے اردو گو شعرا کے حالات خارج کر دیئے ہیں اور صرف فارسی گو شعرا کے حالات بحال رکھے ہیں۔ آخر میں فہرست شعرا ہے۔

زعفران زار کشمیر، محمد علی کشمیری

تذکرۂ زعفران زار کشمیر*، مولوی میرزا محمد علی بن محمد صادق کشمیری، تصحیح و توضیح کریم نجفی برز گر، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۸ش/۲۰۰۹ء، کشمیر کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے کا واحد قلمی نسخہ دہلی، مرکز مائیکرو فیلم نور میں ہے اور اسی کی بنیاد پر مرتّب ہوا ہے۔ مرتّب نے تعلیقات اور اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔

سخنوران چشم دیدہ، ترک علی شاہ ترکی قلندر نور محلی

تذکرۂ سخنوران چشم دیدہ**، مولوی ترک علی شاہ ترکی قلندر نور محلی، بہ کوشش حسین آرمین، ناشر: بہار دخت، تبریز، ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء، یہ مطبوعہ مطبع شمس الاسلام حیدرآباد دکن، ۱۳۲۲ھ پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب نے سوائے مختصر سا مقدمہ لکھنے کے اور کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ آخر میں صرف فہرست تخلص شعرا دی ہے۔

سروآزاد، میر غلام علی آزاد بلگرامی

۱۔ سرو آزاد، میر غلام علی آزاد بلگرامی، بہ کوشش زہرہ نامدار، ناشر: شرکت سہامی انتشار، تہران، ۱۳۹۲ش/۲۰۱۳ء، ایرانی مرتّب نے اپنی اشاعت کی بنیاد کے بارے میں مبہم سی بات کی ہے: "به سه نسخه از کتاب مآثر الکلام [کذا: مآثرالکرام] در کتابخانه های ملی ، دانشگاه تهران و مجلس شورای اسلامی مراجعه شد و با تطبیق متن ویرایش شده با اصل آن اشکالات رفع شده است" (پیشگفتار، ص۳۳) یعنی مآثر الکلام [کذا: مآثر الکرام] کے کتب خانہ ملی، دانشگاہ تہران اور مجلس شورائے اسلامی کے تین نسخوں سے رجوع کیا گیا اور ان سے مقابلہ کرکے متن کی تدوین کی گئی اور اصل میں جو اشکالات تھے وہ رفع کیے گئے۔ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ اشاعت مکمل طور پر بہ تصحیح و تحشیہ عبداللہ خان، مطبوعہ مطبع رفاہ عام لاہور ۱۹۱۳ء پر مبنی ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ کہ ایرانی مرتّب نے سروآزاد کا متن عبداللہ خان کی اردو ڈیڈیکیشن (انتسابی صفحہ) سے شروع کیا ہے جو انھوں نے اپنے ایڈیشن میں شامل کیا تھا۔ ایرانی مرتّب کا یہ کہنا کہ تین قلمی نسخوں سے رجوع کیا گیا ہے، اس کی کوئی شہادت کتاب میں بصورت اختلاف نسخ نہیں ملتی۔ لیکن مرتّب نے اپنے نسخۂ اساس یعنی مطبوعہ لاہور کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

۲۔ **تذکرہ سروآزاد** (تحریر نہایی)*، میر غلام علی آزاد بلگرامی، تصحیح میر ہاشم محدث، ناشر: بنیاد شکوہی و سفیر اردہال، تہران، ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، یہ بہ تصحیح و تحشیہ عبداللہ خان، مطبوعہ مطبع رفاہ عام لاہور ۱۹۱۳ء اور دو ایرانی قلمی نسخوں: کتابخانہ ملی تہران (شمارہ ۱۵۲۷۷) اور کتابخانہ آیت اللہ گلپایگانی، قم (شمارہ ۱۰/۲۲) پر مبنی ہے۔ نسخہ گلپایگانی کے بارے میں مرتّب کا کہنا ہے کہ اس میں ایسے اضافات ہیں جو مطبوعہ لاہور اور نسخہ کتابخانۂ ملی میں نہیں ہیں۔ مرتّب نے تینوں نسخوں کو سامنے رکھ ایک متن ترتیب دیا ہے۔ ہندی شاعروں والے حصے کو لاہور اشاعت سے بعینہٖ عکسی شائع کیا ہے۔ مرتّب نے حواشی اور اشاریوں کا اضافہ کیا ہے۔

سفینۂ خوشگو، بندرابن داس خوشگو

سفینۂ خوشگو دفتر اول**، تحقیق و تصحیح زین العبا، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۴۰۰ش/۲۰۲۱ء، اس کی بنیاد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ناقص نسخہ (شمارہ ۱۳۴اخبار) ہے، اسی لیے اس اشاعت میں بھی مضمون (ترجمہ حافظ شیرازی) ناقص ہے۔

سفینۂ خوشگو دفتر دوم*، تحقیق و تصحیح سید کلیم اصغر، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۴۰۰ش/۲۰۲۱ء، مرتّب نے تین قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے: دانشگاہ تہران (۲۶۵۵)؛ سپہسالار تہران (۲۷۲۴)؛ مجلس شورائے اسلامی تہران (۴۰۳)۔ کسی قسم کے حواشی، اور تعلیقات نہیں ہیں لیکن آخر میں اشاریے ہیں۔

سفینۂ خوشگو دفتر سوم**، تحقیق و تصحیح سید کلیم اصغر و زین العبا، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۴۰۰ش/۲۰۲۱ء، مرتّبین نے مقدمے میں کسی خاص نسخے کی طرف اشارہ نہیں کیا جس پر یہ اشاعت مبنی ہے۔[۹] صرف یہ بتایا ہے کہ اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو ناقص ہے۔ اس سے مراد شاہ عطاء الرحمان عطا کاکوی کا مرتّبہ، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۹ء ہے۔ یہ ایرانی اشاعت اسی پر مبنی ہے۔ آخر میں اشاریوں کا اہتمام ہے۔

شاہد صادق، محمد صادق مینا اصفہانی

شاہد صادق (باب سوم)، محمد صادق مینای آزادانی اصفہانی، با مقدمہ و تصحیح و تحقیق گلالہ ہنری، ناشر: مجمع ذخائر اسلامی قم و مؤسسہ ابن سینا برای پژوہش در تاریخ اندیشہ، بون جرمنی، ۱۳۹۳ش/۲۰۱۴ء، یہ اشاعت چار قلمی نسخوں کی مدد سے تیار ہوئی ہے: دانشگاہ تہران (۹۵۷۵)، مجلس شورائے اسلامی تہران (۷۷۰؛ ۵۰۲۸) میشی گن یونیورسٹی (۳۵۲)۔ اس کی "فصل چہل و پنجم در صلہ شعرا" ہے۔

شعر العجم، محمد شبلی نعمانی

شعر العجم کی پانچوں جلدوں کا اردو سے فارسی ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے کیا۔ یہ ترجمہ پہلے جلد وار چھپتا رہا بعد میں پانچوں جلدوں کو دو مجلدات میں یکجا کر دیا گیا۔ خانبابا مشار نے "شعر العجم یا تاریخ شعرا و

۹۔ ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے راقم السطور کو ذاتی طور پر بتایا کہ انھوں نے اس دفتر پر جو مقدمہ لکھ کر ناشر کو دیا تھا، ناشر نے بوقت اشاعت اس میں کافی کانٹ چھانٹ کی ہے جس سے بعض باتیں ادھوری چھپ گئی ہیں۔

ادبیات منظوم ایران'' عنوان سے اس کی مندرجہ ذیل اولین اشاعتوں کا ذکر کیا ہے[۱] جو اس وقت راقم السطور کے پیش نظر نہیں ہیں:

جلد اول، تہران، طبع اول ۱۳۲۶ش/۱۹۴۷ء؛ طبع دوم، ابن سینا، تہران، ۱۳۳۵ش/۱۹۵۶ء

جلد دوم: تہران، ۱۳۲۷ش/۱۹۴۸ء، طبع دوم، تہران، ۱۳۳۹ش/۱۹۶۰ء

جلد سوم: تہران، طبع اول، ۱۳۱۴ش/۱۹۳۵ء؛ تہران، طبع دوم ۱۳۳۶ش/۱۹۵۷ء

جلد چہارم: تہران، طبع اول، ۱۳۱۴ش/۱۹۳۵ء۔ مترجم نے شعر العجم کی تمام جلدوں میں سے، پہلے چوتھی جلد شائع کی۔ طبع دوم تہران، ابن سینا، ۱۳۳۶ش/۱۹۵۷ء

جلد پنجم: تہران، ۱۳۱۸ش/۱۹۳۹ء؛ طبع دوم، تہران، ابن سینا، ۱۳۳۷ش/۱۹۵۸ء

راقم السطور کے پاس مندرجہ ذیل اشاعت ہے اور اس کا عنوان خانبابا کے مذکورہ عنوان سے قدرے مختلف ہے: شعر العجم یا تاریخ شعرا و ادبیات ایران*، علامہ شبلی نعمانی ہندی، ترجمہ: سید محمد تقی فخر داعی گیلانی، ناشر: دنیای کتاب، تہران، طبع دوم، ۱۳۶۳ش/۱۹۸۴ء، ۲ مجلدات۔ پہلی مجلد، جلد اول، دوم، اور دوسری مجلد، جلد سوم، چہارم و پنجم پر مشتمل ہے۔ آخر میں اشاریے کا اضافہ ہے۔ اس اشاعت کے بعد بھی یہی ناشر اسے مکرر شائع کرتا رہا ہے۔ انٹرنیٹ پر ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء کو طبع چہارم لکھا گیا ہے۔

تنقید شعر العجم، حافظ محمود خان شیرانی

شعر العجم پر حافظ محمود خان شیرانی کی تنقید شعر العجم کا فارسی ترجمہ بھی ایران سے شائع ہوا ہے:

نقد شعر العجم شبلی نعمانی*، پروفسور محمود شیرانی، ترجمہ و ویرایش شاہد چوہدری و توفیق ھ سبحانی، دانشگاہ پیام نور، تہران، ۱۳۸۱ش/۲۰۰۲ء، آخر میں اشاریوں کا اضافہ ہے۔ یہ نقد، مقالات شیرانی (اردو) کی پانچویں جلد، نشر کردۂ مجلس ترقی ادب، لاہور میں شامل ہے اور اسی کا فارسی ترجمہ ہے۔

شمع انجمن، نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی

۱۔ تذکرہ شمع انجمن*، نواب صدیق حسن خان، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمد کاظم کہدویی، ناشر: مرکز انتشارات دانشگاہ یزد، یزد، طبع اول بہار ۱۳۸۶ش/۲۰۰۷ء؛ طبع دوم ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء۔ یہ تذکرہ پہلی بار ۱۲۹۳ھ میں مطبع شاہجہانی، بھوپال سے شائع ہوا تھا۔ ایرانی اشاعت اسی کی بنیاد پر ہے۔ ایرانی

---

[۱]۔ خانبابا مشار، فہرست کتاب ہای چاپی فارسی، تہران، طبع مولف، دی ماہ ۱۳۵۲ش/۱۹۷۴ء، ج۲، ص۳۲۷۶-۳۲۷۷؛ تہران، طبع دیگر بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۵۲ش/۱۹۷۴ء، ص۲۱۵۰

مرتّب نے اپنے مقدمے میں مصنف کی بعض غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ مرتّب کی تمام تعلیقات حاشیے میں ہیں۔ آخر میں مختلف اشاریے ہیں۔

۲۔ بررسی تذکرہ شمع انجمن، نسا بلوچی، ناشر: مینوفر، تہران، ۱۳۹۶ش، یہ شمع انجمن پر تبصراتی کتابچہ ہے۔

صبح گلشن، سید علی حسن خان بھوپالی

تذکرہ صبح گلشن، سید علی حسن خان سلیم بھوپالی، تصحیح، تعلیق، توضیح، اضافات فرہنگنامہ مجتبی برزآبادی فراہانی، ناشر: اوستا فراہانی، تہران، ۱۳۹۰ش/۲۰۱۱ء، ۳ جلد۔ یہ اشاعت مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۸۷۸ء پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب نے اشاریے بنانے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

صحف ابراہیم، علی ابراہیم خان خلیل بنارسی

۱۔ صحف ابراہیم* (بخش معاصران)، علی ابراہیم خان خلیل بنارسی، بہ تصحیح میر ہاشم محدث، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۵ش /۲۰۰۶ء۔ عابد رضا بیدار نے صحف ابراہیم کا ایک انتخاب ''صحف ابراہیم تذکرہ شعراے فارسی سدۂ دوازدہم'' خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے 1978 اور ۱۹۸۱ء میں شائع کیا تھا۔ یہ ایرانی اشاعت اسی پر مبنی ہے جیسا کہ ایرانی مصحح نے لکھا ہے: ''اساس کار من در تصحیح این قسمت ازین کتاب ھمان چاپ ایشان[بیدار] است'' (ص ۳۷)۔ ایرانی مرتّب نے تعلیقات اور اشاریوں کا اضافہ کیا ہے۔ اس میں متعدد غلطیاں ہیں۔ انیس الاحبا کو انیس الاخبار (ص ۳۸؛ ۱۷۱؛ ۴۸۷)، قوم کنبو کو قوم کنیو (۱۱۳)، زیب المنشآت کو زیب المنتشاہ (ص ۱۲۱)، بھکر کو بھگر (ص ۱۴۲)، عترت اکبرآبادی کو عزت اکبرآبادی (۱۹۲)، تکیٹ راے کو نکیت رای (۱۷؛۴۱؛ ۴۷۹) لکھا ہے۔ ڈاکٹر بیدار نے سدۂ دوازدہم (بارہویں صدی کے شعرا) کا التزام رکھا تھا، ایرانی مرتّب نے اسے ''معاصران'' میں بدل دیا ہے۔

۲۔ تذکرۂ صحف ابراہیم*، علی ابراہیم خلیل خان بنارسی متخلص بہ خلیل متوفی ۱۲۰۸ق، (چاپ عکسی براساس نسخہ خطی کتابخانہ برلین، شمارۂ ۶۶۳)، بہ کوشش یوسف بیگ باباپور، ناشر: منشور سمیر، با ہمکاری بنیاد شکوہی و فرہنگ بنیان، تہران، ۱۳۹۷ش/۲۰۱۸ء، قومی کتب خانہ، برلن، جرمنی کے قلمی نسخہ نمبر ۶۶۳ کی عکسی اشاعت ہے۔ ابتدا میں فہرست شعرا اور ایک ''یادداشت'' درج ہے جس میں مصنف، تذکرے اور نسخوں کا تعارف ہے۔ برلن کے اس نسخے میں کاتب نے شعرا کے صرف حالات درج کیے ہیں، نمونہ کلام نقل نہیں کیا۔

عرفات العاشقین و عرصات العارفین، تقی الدین محمد اوحدی دقاقی بلیانی

۱۔ عرفات العاشقین و عرصات العارفین*، تقی الدین محمد اوحدی دقاقی بلیانی، محسن ناجی نصرآبادی، ناشر: اساطیر، تہران، ۱۳۸۸ش، ۷ جلدیں بترتیب ذیل: ج۱ (آ۔ الف)؛ ج۲ (ب۔ذ)؛ ج۳ (ر۔ش)؛ ج۴ (ص۔غ)؛ ج۵ (ف۔م)؛ ج۶ (م۔ی)؛ ج۷ (نمایہ ہا)۔ یہ تذکرہ تین قلمی نسخوں کی بنیاد پر مرتّب ہوا ہے: ملک تہران (۵۳۲۴)؛ خدابخش پٹنہ (۲۲۹ و ۲۳۰)؛ ذخیرہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (بلا شمارہ)۔ ساتویں جلد میں تیرہ مختلف اقسام کے اشاریے ہیں۔ جلد ششم کی پیشانی پر حرف (م۔ہ) چھپا ہے جب کہ یہ (م۔ی) ہونا چاہیے کیونکہ اس میں ی تخلص کے شعرا بھی ہیں۔

۲۔ عرفات العاشقین و عرصات العارفین*، تقی الدین محمد اوحدی حسینی دقاقی بلیانی اصفہانی تصحیح ذبیح اللہ صاحبکاری و آمنہ فخر احمد، بانظارت علمی محمد قہرمان، میراث مکتوب، باہمکاری کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی تہران، ۱۳۸۹ش/۲۰۱۰ء، ۸ جلدیں بترتیب ذیل: ج۱ (آ۔ الف)؛ ج۲ (ب۔خ)؛ ج۳ (د۔س)؛ ج۴ (ش۔ظ)؛ ج۵ (ع۔ف)؛ ج۶ (ق۔م)؛ ج۷ (ن۔ی)؛ ج۸ (نمایہ) آٹھویں جلد گیارہ مختلف نوعیت کے اشاریوں پر مشتمل ہے۔ یہ تین قلمی نسخوں کی بنیاد پر مرتّب ہوا ہے: ملک تہران (۵۳۲۴)؛ خدابخش پٹنہ (۲۲۹ و ۲۳۰)؛ ذخیرہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (بلا شمارہ)۔ اس اشاعت میں مصنف کے حالات کے لیے ڈاکٹر نذیر احمد کے ایک اردو مقالے کے فارسی ترجمہ از ڈاکٹر سید حسن عباس کو شامل کیا گیا ہے۔

عقد ثریا، غلام مصحفی ہمدانی

تذکرۂ عقد ثریا**، غلام مصحفی ہمدانی، ویرایش، مقدمہ و تعلیقات محمد کاظم کہدویی، ناشر: بخشایش، قم، ۱۳۸۸ش/۲۰۰۹ء، کتاب کے ایرانی مرتّب جب بطور رایزن فرہنگی ایران، کابل میں مامور تھے تو انھوں نے عقد ثریا کی کابل اشاعت (بخط مولوی خستہ، بامقدمہ حسین نایل، بہ اہتمام محمد سرور پاکفر، ۱۳۶۲ش/۱۹۸۳ء) کی بنیاد پر اسے مرتّب کیا تھا۔ خود کابل اشاعت، مرتّبہ مولوی عبدالحق مطبوعہ اورنگ آباد دکن ۱۹۳۴ء پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر کہدوئی کا مرتّبہ متن ایک بار رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران کابل، ۱۳۸۴ش/۲۰۰۵ء سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ مرتّب نے شعرا کے مزید حالات کے لیے حواشی اور ارجاعات کا اہتمام کیا ہے۔ آخر میں اشاریہ ہے۔

کلمات الشعرا، محمد افضل سرخوش

کلمات الشعرا*، محمد افضل سرخوش، تصحیح علی رضا قزوہ، کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۸۹ش/۲۰۱۱ء، یہ اشاعت تین قلمی نسخوں (خدا بخش لائبریری پٹنہ، شمارہ HL3364؛ مرکز تحقیقات فارسی دہلی، شمارہ ۲۳۵؛ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمارہ ۹۷) اور دو مطبوعہ (مرتّبہ صادق علی دلاوری، لاہور ۱۹۴۲ء مرتّبہ محمد حسین محوی لکھنوی، مدراس ۱۹۵۱ء) پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب نے اختلافات نسخ اور اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔ تعلیقات نہیں ہیں۔

گل رعنا، لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی

تذکرہ گل رعنا (فصل دوم)، لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی، مقدمہ و تصحیح مریم کسایی، ناشر: ہاوار، ایلام، ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء؛ گل رعنا کی وہ فصل جو ہندو شعرا کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس ایرانی اشاعت کی بنیاد مطبوعہ مطبع عہد آفرین برقی پریس، حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء ہے۔ ایرانی مرتّب نے اپنی کوشش کے بارے میں بس یہ جملہ لکھا ہے: ''کوشش شدہ تا متنی منقح از این اثر عرضہ گردد'' (ص ۱۳)، یعنی کوشش کی گئی ہے کہ ایک تنقیح شدہ متن پیش کیا جائے۔

لباب الالباب، سدید الدین محمد عوفی

۱۔ لباب الالباب، محمد عوفی، بہ کوشش سعید نفیسی، طبع اول ۱۳۳۵ش/۱۹۵۶ء؛ طبع دیگر ناشر: نشر پیامبر، تہران

۲۔ تذکرہ لباب الالباب، محمد عوفی، از روی چاپ پرفسور براون با مقدمہ و تعلیقات علامہ محمد قزوینی و نخبۂ تحقیقات استاد سعید نفیسی و ترجمۂ دیباچۂ انگلیسی بفارسی بقلم محمد عباسی، نیمۂ اول، ناشر: کتابفروشی فخر رازی، تہران، بہار ۱۳۶۱ش/۱۹۸۲ء

۳۔ لباب الالباب، محمد عوفی، بہ تصحیح ادوارد جی براون، با مقدمۂ محمد قزوینی، و تصحیحات جدید و حواشی و تعلیقات سعید نفیسی، بہ کوشش ہوشنگ رہنما، ناشر: ہرمس، تہران، ۱۳۸۹ش/۲۰۱۰ء، کشف الابیات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

لطایف الخیال، حکیم مولی شاہ محمد عارف دارابی اصطہباناتی

تذکرہ لطایف الخیال*، حکیم مولی شاہ محمد بن محمد عارف دارابی اصطہباناتی متخلص بہ عارف، تصحیح یوسف بیگ باباپور، با مقدمۂ سید صادق حسینی اشکوری، ناشران: مجمع ذخائر اسلامی قم، کتابخانہ و موزہ ملک تہران، کتابخانہ،

موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۹۱ش/۲۰۱۲ء، ۲ جلد۔ یہ نسخہ کتابخانہ ملک تہران، شمارہ ۴۳۲۵ پر مبنی ہے۔ تعلیقات کے بغیر ہے اور آخر میں شعرا کے تخلص کا ایک اشاریہ ہے۔

لطایف نامہ، دیکھیے: مجالس النفایس

مآثر رحیمی، عبدالباقی نہاوندی[11]

مآثر رحیمی* (بخش سوم: زندگی نامہ ہا)، عبدالباقی نہاوندی، بہ اہتمام عبدالحسین نوائی، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۱ش /۲۰۰۲ء۔ شمس العلما محمد ہدایت حسین نے مآثر رحیمی بہت عمدہ مرتّب کرکے، ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال، کلکتہ، ۱۹۲۴ سے تین جلدوں میں شائع کی تھی۔ اس کی تیسری جلد علما، فضلا، شعرا، سپاہیان اور مستعدانِ ہر فن کے حالات پر مشتمل ہے۔ ایرانی اشاعت اسی کا چربہ اور اسی پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب نے جواز یہ پیش کیا ہے: ''مصحح (ہدایت حسین)کہ زبان فارسی را بہ صورت زبان مادری نمی دانستہ گہ گاہ دچار اشتباھاتی شدہ کہ من در حدّ بضاعت مزجات خود کوشیدہ ام تا آن آشفتگی ھا و لغزش ھا برطرف سازم'' (ص بیست) یعنی کتاب کے مرتّب (ہدایت حسین) چونکہ فارسی زبان بطور مادری زبان نہیں جانتے تھے، کبھی کبھار ان سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ میں نے اپنی استعداد کے مطابق کوشش کی ہے کہ اُن آشفتگیوں اور لغزشوں کو دور کروں۔ ایرانی مرتّب نے تعلیقات کا اضافہ کیا ہے لیکن اتنی ضخیم کتاب کسی اشاریے کے بغیر ہے۔

مجالس النفایس، میر نظام الدین علی شیر نوایی

۱۔ مجالس النفایس*، میر نظام الدین علی شیر نوایی، بہ سعی و اہتمام علی اصغر حکمت، ناشر: کتابخانۂ منوچہری، تہران، ۱۳۶۳ش/۱۹۸۴ء، طبع اول۔ اس اشاعت میں دو فارسی ترجمے شامل ہیں: ۱۔ لطایف نامہ از سلطان محمد فخری ہروی، مترجم سندھ میں رہا ہے لیکن یہ ترجمہ شاہ اسماعیل صفوی کے نام معنون ہے۔ ۲۔ از حکیم شاہ محمد بن مبارک قزوینی۔ یہ ترجمہ استنبول میں ہوا۔ لطایف نامہ الگ سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کے کوائف یہ ہیں:

---

[11]۔ مآثر رحیمی میں مذکور شعرا کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو: عمر کمال الدین کاکوروی، ''فہرست شاعران مآثر رحیمی''، خدابخش لائبریری جرنل، پٹنہ، شمارہ ۱۲۶، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۔۵۱، مضمون نگار نے محنت کرکے ہر شاعر کے بارے میں دیگر مآخذ کی نشان دہی بھی کر دی ہے۔

۲۔ لطایف نامہ (ترجمۂ مجالس النفایس امیر علی شیر نوائی)، مترجم: فخری ہروی، تصحیح و تحقیق ہادی بیدکی، ناشر: موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ۱۳۹۸ش/۲۰۱۹ء۔ یہ تین قلمی نسخوں پر مبنی ہے: برٹش میوزیم (Add7669/1)، دانشگاہ تہران(۷۸۹۴)، کتابخانہ ملی تبریز(۱/۳۱۲۸)۔آخر میں تعلیقات، واژہ نامہ اور اشاریوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔[۱۲]

مجمع الفضلاء، محمد عارف بقائی بخارایی

تذکرہ مجمع الفضلاء**، محمد عارف بقائی بخارایی، بہ تحقیق محمد خشکاب، زیر نظر یوسف بیگ باباپور، ناشر: منشور سمیر و بنیاد شکوہی، تہران، ۱۳۹۴ش/۲۰۱۵ء۔اس اشاعت کی بنیاد وہ نقل ہے جو تہران یونیورسٹی تہران (شمارہ۶۵۴۶) میں موجود ہے۔اصل نسخہ ہاشم شایق (افغانستان) کے پاس تھا۔مرتّب نے تعلیقات اور اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔

مجمع النفایس، سراج الدین علی خان آرزو

یہ اہم تذکرہ پاکستان سے تین جلدوں میں مکمل شائع ہو چکا ہے۔ایران میں اس کی دو تلخیصات شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ بزم آرزو*، بہ کوشش عارف نوشاہی، مشمولہ مقالات عارف، دفتر دوم، ناشر: بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ۱۳۸۶ش /۲۰۰۷ء۔ یہ ان شاعروں کا تذکرہ ہے جن کے ساتھ خان آرزو کی معاصرت اور معاشرت تھی۔ یہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نسخہ (PfI24) پر مبنی ہے اور اس کا تقابل قومی عجائب گھر کراچی کے نسخے (N.M.1967-244) اور ''مجمع النفایس تذکرہ شعرای فارسی سدۂ دوازدہم'' مرتّبہ عابد رضا بیدار، مطبوعہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۷۷ء و ۱۹۹۲ء سے کیا گیا ہے۔

۲۔ مجمع النفایس* (بخش معاصران)، سراج الدین علی خان آرزو، بہ تصحیح میر ہاشم محدث، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۵ش/۲۰۰۶ء۔اس کی بنیاد مرتّبہ عابد رضا بیدار ہے جس میں بارہویں صدی ہجری کے شعرا کو الگ کیا گیا ہے۔ایرانی مرتّب نے ہر شاعر کے حالات نقل کرنے کے بعد دیگر مآخذ کی نشان دہی کر دی ہے۔آخر میں اشاریے ہیں۔

---

[۱۲]۔ لطایف نامہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے بھی مرتب کیا تھا جو اورینٹل کالج میگزین، لاہور، اگست ۱۹۳۱ تا فروری ۱۹۳۳ کے شماروں میں بالاقساط چھپا۔

مرآت الخیال، شیر علی خان لودھی

تذکرۂ مرآۃ الخیال*، شیر علی خان لودی، بہ اہتمام حمید حسنی، باہمکاری بہروز صفرزادہ، ناشر: روزنہ، تہران، بہار ۱۳۷۷ش/۱۹۹۸ء۔ یہ مطبوعہ بمبئی ۱۳۲۴ھ پر مبنی ہے۔ مرتّب نے اپنے کام کے بارے میں بتایا ہے: ''نویسنده هندی است و نثر وی خالی از ابهام نیست۔برخی مشکلات این چنینی برطرف شدند و یا غلط ها قیاسا تصحیح گردیدند۔بسیاری از اشتباهات تاریخی تذکره نویسان متقدم تر را صاحب کتاب حاضر نیز تکرار کرده است۔نگارنده در یادداشت های خود به نقد یا اصلاح آنها دست برده است'' (ص ہجدہ، ملخصاً) یعنی مصنف چونکہ ہندی نژاد ہے اس کی فارسی نثر میں ابہام پایا جاتا ہے۔اس نوعیت کی مشکلات کو دور کیا گیا ہے یا قیاسی تصحیح سے کام لیا گیا ہے۔ مصنف نے قدیم تذکرہ نگاروں کی تاریخی غلطیوں کا بھی اعادہ کیا ہے جسے مرتّب نے اپنی تعلیقات میں درست کیا ہے یا ان پر تنقید کی ہے۔آخر میں یادداشت ہای مصحح اور فہرست ہاے راہنما ہیں۔

مردم دیدہ، عبدالحکیم حاکم لاہوری (حکیم بیگ خان)

تذکرۂ مردمِ دیدہ*، عبدالحکیم حاکم لاہوری، تصحیح علی رضا قزوہ، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۹۰ش/۲۰۱۲ء، یہ اشاعت، مرتّبہ ڈاکٹر سید عبداللہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۱ء اور سالار جنگ میوزیم حیدرآباد دکن کے مخطوطہ شمارہ Tad44/2 پر مبنی ہے۔ایرانی مرتّب کا دعوی ہے کہ مرتّبہ ڈاکٹر عبداللہ میں جو غلطیاں تھیں وہ درست کر دی گئی ہیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایرانی اشاعت میں نئی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں۔ایک ہی صفحے ۱۹۵ پر تین غلطیاں نظر سے گذریں: حاجی محمد امین کولالی (بجاے کولابی) نقشبندی؛ میاں محمد کطیم (بجاے کلیم)؛ حضرت محمد (محمد زائد ہے) مجدد الف ثانی۔ ص ۱۹۶ پر پسر حضرت شیخا کو پسر حضرت شیخنا لکھا ہے۔

معدن الجواہر، محمد مہدی واصف مدراسی

تذکرہ معدن الجواہر**، محمد مہدی واصف مدراسی، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمد خشکاب، ناشر: منشور سمیر و بنیاد شکوہی، تہران، ۱۳۹۶ش/۲۰۱۷ء، ۲ جلد۔ مرتّب نے دو قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔ مرکز احیاء میراث اسلامی، قم (شمارہ ۱۸۸۵) اور کتابخانہ ملی ایران، تہران (۵-۱۷۷۲۰)۔ مقدمہ کے علاوہ اشاریہ تیار کیا ہے۔ ہر شاعر کے حالات کے آخر میں تعلیقات کی جگہ مزید حالات کے لیے مآخذ کی نشان دہی کی ہے۔

مقالات الشعرا، قیام الدین حیرت اکبرآبادی

تذکرۂ مقالات الشعرا*، قیام الدین حیرت اکبرآبادی، تحقیق علی رضا قزوہ، کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران، ۱۳۹۶ش/ ۲۰۱۷ء۔ یہ مرتّبہ نثار احمد فاروقی مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۸ء پر مبنی ہے اور اس کا مقابلہ رضا لائبریری رامپور کے ایک قلمی نسخے (شمارہ ۲۴۱۲) سے کیا گیا ہے۔ ایرانی اشاعت تعلیقات کے بغیر لیکن اشاریوں کے ساتھ ہے۔ ایرانی مرتّب کا کہنا ہے: ”در چاپ حاضر، افتادگی ھا، نواقص و غلط خوانی ھای نسخۂ چاپی دھلی رفع شدہ“ (ص بیست و چہار) یعنی موجودہ اشاعت میں دہلی اشاعت کے نواقص اور قرائت متن کی غلطیاں دور کردی گئی ہیں۔ جب کہ خود ایرانی اشاعت میں ویسی ہی غلطیاں موجود ہیں مثلاً: صوبہ داری بنگالہ کو صومعہ داری بنگالہ (ص بیست و یک)، دیوان غزلیات کو دیوان عزلیات (۳۹)، کسوت ہای فاخرہ کو سکوت ہای فاخرہ (۵۳)، عبداللطیف کو عبدالطیف (۱۰۳)، داروغگی کو داروعگی (۱۰۴)، مبارک اللہ واضح کو واضع (۱۲۵) لکھا ہے۔ تذکرے کے مصنف حیرت اکبرآبادی کا اسلوب ہے کہ وہ شعرا کے نام کی رعایت سے سجع لاتا ہے جیسے ”جامع الکمالات والحسنات میاں محمد حیات“۔ اسی تذکرے میں جب مصنف نے اپنا تذکرہ کیا ہے تو جو سجعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی طرح مصنف کے نام کے ساتھ موزوں نہیں ہیں۔ اس نے اپنا نام یوں لکھا ہے: تختہ مشق ھجویری، معنی لفظ سادگی (ص ۴۵) یہ کلمات مبہم اور نامفہوم ہیں۔ یہ مطبوعہ دہلی میں بھی ایسا ہی ہے۔ ایرانی اشاعت تعلیقات کے بغیر، لیکن اشاریوں سمیت ہے۔

منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی

منتخب التواریخ*، عبدالقادر بن ملوک شاہ بداؤنی، بہ تصحیح مولوی احمد علی صاحب، با مقدمہ و اضافات توفیق ھ سبحانی، ناشر: انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۷۹ش/ ۲۰۰۲ء۔ یہ دراصل منتخب التواریخ کی کلکتہ اشاعت ۶۹-۱۸۶۴ء مرتّبہ منشی احمد علی، کبیر الدین احمد، ولیم ناسو لیس، جلد سوم پر مبنی ہے جو مشایخ، فضلا، اطبا، شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ ایرانی مرتّب یا ناشر نے سرورق پر کسی جلد شمار کا اظہار نہیں کیا ہے اور اسے محض منتخب التواریخ نام سے شائع کیا ہے۔ سرورق پر ایرانی مرتّب کی طرف سے ”با مقدمہ و اضافات“ سے مراد چار صفحات کا تعارفی مقدمہ و آخر میں ہندی یا اردو الفاظ کی فارسی فرہنگ ہے۔ نیز اشاریوں کا اضافہ کیا ہے۔

منتخب اللطایف، رحم علی خان ایمان

۱۔ تذکرہ منتخب اللطایف*، رحم علی خان ایمان، با مقدمۂ تاراچند، باہتمام سید محمد رضا جلالی نائینی و سید امیر حسن عابدی، چاپ تابان، تہران، ۱۳۴۹ش/ ۱۹۷۰ء۔ یہ دہلی یونیورسٹی لائبریری کے قلمی نسخے مکتوبہ ۱۲۲۶ھ کی عکسی اشاعت ہے۔ آخر میں رجال کے نام کا ایک اشاریہ ہے۔

۲۔ منتخب اللطایف، رحم علی خان ایمان، تصحیح و توضیح حسین علی زادہ و مہدی علی زادہ، ناشر: طهوری، تہران، ۱۳۸۶ش/۲۰۰۷ء۔ یہ دہلی یونیورسٹی کے نسخے یا اسی کی مذکورہ بالا عکسی اشاعت پر مبنی ہے۔ مرتّبین نے حاشیے میں مختصر تعلیقات اور آخر میں اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔

میخانہ، عبدالنبی فخزالزمانی قزوینی

تذکرۂ میخانہ، ملاعبدالنبی فخزالزمانی قزوینی، بہ تصحیح احمد گلچین معانی، ناشر: اقبال، تہران، طبع اول ۱۳۴۰ش/۱۹۶۱ء ، طبع چہارم ۱۳۶۴ش/۱۹۸۵ء، طبع پنجم ۱۳۶۷ ش/۱۹۸۸ء*، طبع ششم ۱۳۷۵ش/۱۹۹۶ء۔ یہ دو قلمی نسخوں پر مبنی ہے۔ ایک نسخہ مرتّب کے ذاتی کتب خانے (مشہد) کا اور دوسرا رضا لائبریری رام پور کا ہے۔ مرتّب میں حاشیے میں بہت مفصل توضیحات کا اہتمام کیا ہے۔ آخر میں تکملۂ حواشی واستدراکات اور اشاریے ہیں۔ قرائت متن، ترتیب وتدوین کا عمدہ نمونہ ہے۔

نتائج الافکار، محمد قدرت اللہ گوپاموی

تذکرۂ نتائج الافکار*، محمد قدرت اللہ گوپاموی، تصحیح و تعلیق یوسف بیگ باباپور، ناشر: مجمع ذخائر اسلامی، قم، ۱۳۸۷ش/۲۰۰۸ء، یہ بکوشش خاضع الہ آبادی، مطبوعہ مطبع سلطانی بمبئی ۱۳۳۶ش/۱۹۵۷ء پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّب کا یہ کہنا کہ بمبئی مذکورہ اشاعت اس کی پندرہویں اشاعت تھی، بالکل غلط بات ہے۔ خاضع نے اسے ایک ہی بار شائع کیا تھا۔ مرتّب کا یہ بھی کہنا ہے: "باوجود آن کہ چند نسخۂ خطی از این اثر در کتابخانہ ھای ھند و پاکستان است، بر آن شدیم تا آن را از روی چاپ سنگی طبع ھند احیا کنیم" (مقدمہ، ص ۲۴)۔ یعنی اس تذکرے کے ہند و پاکستان میں قلمی نسخے موجود ہونے کے باوجود انھوں نے ہند کی اشاعت کو دوبارہ زندہ کرنا مناسب سمجھا۔ مرتّب کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تذکرہ دو جلدوں میں شائع ہوگا۔ پہلی جلد متن اور مجمل مقدمے پر اور دوسری جلد تعلیقات و توضیحات و اشاریے اور کشف الابیات وغیرہ پر مشتمل ہوگی۔ لیکن تاحال اس کی پہلی جلد ہی شائع ہوئی ہے جو تعلیقات اور اشاریوں کے بغیر ہے اور آخر میں صرف شعرا کی فہرست ہے۔

نسخۂ زیبای جہانگیر، مطربی سمرقندی

نسخۂ زیبای جہانگیر*، مطربی سمرقندی، بہ کوشش اسماعیل بیگ جانف و سید علی موجانی، ناشر: کتابخانۂ بزرگ حضرت آیت اللہ العظمی مرعشی نجفی، قم، ۱۳۷۷ش/۱۹۹۸ء۔ یہ تذکرہ، مصنف بخارا سے تیار کرکے ہندوستان لایا اور جہانگیر بادشاہ کو پیش کیا۔ یہاں جہانگیر سے اس کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں، ان کا احوال آخر میں ملحق کیا۔ خود جہانگیر نے اپنے عہد شاہزادگی میں عہد اکبر کے فارسی شعرا کے حالات پر ایک مسودہ لکھا

تھا۔ جہانگیر نے وہ مطربی کے حوالے کیا جو اس نے نسخۂ زیبای جہانگیر کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کیا۔ یہ اشاعت اس تذکرے کے واحد قلمی نسخے انڈیا آفس لائبریری لندن (شمارہ ۳۰۲۳) پر مبنی ہے۔ تصحیح یا نسخہ نقل کرنے کا بنیادی کام اسماعیل بیگ جانف کا ہے جو علی موجانی کی کوشش سے چھپا ہے۔ اس اشاعت میں اکثر اسما غلط چھپے ہیں اور قرائت متن بہت کمزور ہے۔ عبداللہ برزش آبادی کو سروش آبادی (۴۳)، آکہ شبر غانی کو آگاہی شبر غانی (۱۴۹)، چیرۂ زرتار کو جیرۂ زرتار (۲۷۳)، شیری لاہوری کو شربی لاہوری (۳۱۹)، میر معصوم بکری کو میر معصوم بابری (۳۲۷)، نظیری کو ناظری (۳۳۸) لکھا ہے۔ ص ۳۴۴ پر نسخے کا ترقیمہ دوبار چھپ گیا ہے۔ متن میں ایک جگہ ایک جملہ ہے: از ملازمتِ حضرت، حسب الحکم بہ بنگالہ رفت (۳۳۱)، دوران طباعت حسب الحکم کی جگہ حب الحکم (۳۳۱) چھپ گیا ہے اور اشاریہ ساز نے اسے شخص کا نام سمجھ کر اشاریے میں "حب الحکم حضرت" کے تحت درج کر دیا ہے! (۳۴۸)[۱۳]

نشتر عشق، حسین قلی خان عاشقی عظیم آبادی

تذکرہ نشتر عشق*، حسین قلی خان عظیم آبادی متخلص بہ عاشقی، تصحیح و تعلیقات سید کمال حاج سید جوادی، ناشر: مرکز پژوہشی میراث مکتوب، تہران، ۱۳۹۱ش/۲۰۱۳ء، ۲ جلد اور ہر جلد کے ۲ حصے (جلد اول: حصہ الف، حصہ ب؛ جلد دوم: حصہ الف، حصہ ب)۔ اس اشاعت کی بنیاد رضا رام پور (شمارہ ۲۹) نسخے پر ہے اور مزید چھ نسخوں سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ نیز مرتّبہ اصغر جانفدا، مطبوعہ دوشنبہ تاجکستان، ۱۹۸۱ء سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جلد دوم: حصہ ب تعلیقات اور اشاریوں پر مشتمل ہے۔

نگارستان سخن، سید نور الحسن بھوپالی

نگارستان سخن، ابوالخیر سید نور الحسن، مقدمہ و تصحیح رحمان ذبیحی و رحیم ہادی انداب جدید، ناشر: ہاوار، ایلام، ۱۳۹۴ش/۲۰۱۵ء، یہ اشاعت، مرتّبہ مولوی سید ذوالفقار احمد، مطبوعہ مطبع شاہجہانی، بھوپال، ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء پر مبنی ہے۔ ایرانی مرتّبین نے صرف شعرا کے ناموں کے اشاریے کا اضافہ کیا ہے۔

---

[۱۳]۔ مطربی کی ایک اور تصنیف تذکرۃ الشعرا* بکوشش اصغر جانفدا، مقدمہ، تحشیہ و تعلیقات علی رفیعی علامرودشتی ناشر: میراث مکتوب، تہران، طبع اول ۱۳۷۷ش/۱۹۹۹ء؛ طبع دوم ۱۳۸۲ش/۲۰۰۴ء شائع ہو چکی ہے۔ یہ ماوراءالنہری شاعروں کا تذکرہ ہے اور سمرقند میں تصنیف ہوا ہے۔

نفایس المآثر، علاء الدولہ کامی قزوینی

تذکرہ نفایس المآثر*، علاء الدولہ کامی قزوینی، تحقیق و تصحیح سعید شفیعیون، ناشر: کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران و سازمان چاپ وانتشارات، تہران، ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء۔ یہ چار مخطوطات کی بنیاد پر مرتّب ہوا ہے: میونخ جرمنی شمارہ ۳؛ رضا رامپور شمارہ ۴۳۹۷؛ علی گڑھ یونیورسٹی شمارہ ۶۲۵؛ برٹش میوزیم شمارہ Or1761۔ مرتّب نے جامع مقدمہ، مفصل تعلیقات اور متنوع اشاریوں کا اضافہ کیا ہے اور تدوین کا ایک اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ تعلیقات میں بعض تسامحات بھی ہیں جیسے کلکتہ کو ہندوستانی ریاست ''سازا'' کا دارالحکومت بتایا گیا ہے (ص ۸۴۲) جب کہ اس نام سے ہندوستان میں کوئی ریاست نہیں ہے۔

ہفت آسمان، آغا احمد علی احمد

تذکرہ ہفت آسمان*، مولوی آغا احمد علی احمد، ناشر: کتابفروشی اسدی، تہران، ۱۹۶۵م۔ یہ مرتّبہ بلاخمان، مطبوعہ بپتست مشن پریس کلکتہ ۱۸۷۳ء کی ہو بہو عکسی اشاعت ہے۔

ہفت اقلیم، امین احمد رازی

۱۔ ہفت اقلیم، امین احمد رازی، ناشر: وزارت فرہنگ، مطبع شرکت سہامی چاپ، تہران، بلا تاریخ، اقلیم سوم تک۔

۲۔ ہفت اقلیم*، امین احمد رازی، با تصحیح و تعلیق جواد فاضل، ناشر: کتابفروشی علی اکبر علمی و کتابفروشی ادبیّہ، تہران، ۱۳۴۰ش/۱۹۶۱ء، ۳ جلد۔ ان تین جلدوں میں کسی ایک پر بھی مقدمہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوسکے کہ مرتّب نے کس نسخے کو سامنے رکھا ہے۔ ہفت اقلیم کے کچھ حصے اس سے پہلے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہو چکے تھے۔ جواد فاضل کی اشاعت کے بارے میں گلچین معانی کی رائے بہت بے باکانہ ہے: ''[یہ کتاب] اس قدر غلط سلط چھپی ہے کہ ایران کی مطبوعات کی تاریخ میں کوئی اور کتاب اتنی رسوا کن نہ چھپی ہوگی۔ اس اشاعت میں اگر کوئی چیز نہیں ہے تو وہ کوئی ٹھیک لفظ، درست نام اور صحیح شعر ہے۔ حواشی اور تعلیقات کا بھی نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ اس تذکرے کے متعدد قلمی نسخے کئی پبلک اور نجی کتب خانوں میں ملتے ہیں، لیکن کتاب فروشی ادبیہ کا مغلوط اور غیر مرتّب نسخہ کسی ایک قلمی نسخے سے بھی نہیں ملایا گیا اور نہ تصحیح کی گئی ہے۔ بلکہ چھپائی میں مزید غلطیوں کا اضافہ ہو گیا ہے، جب کہ ساتھ غلط نامہ بھی نہیں ہے!'' (تاریخ تذکرہ ہای فارسی، ج۲، ص ۴۱۱)۔ ہفت اقلیم کے ایک اور ایرانی مرتّب حسرت (اس کا ذکر آگے آئے گا) کا کہنا ہے کہ جواد فاضل اپنے زمانے کے مقبول ناول نگار تھے اور ان کے ناولوں کے بھرپور ایڈیشن نکلتے تھے۔ ہفت اقلیم جیسی کلاسیک کتاب کی ترتیب و

تدوین ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ عین ممکن ہے کہ ایرانی ناشر نے ان کے نام سے فائدہ اٹھایا ہو اور جلد پر ان کا نام بطور مصحح چھاپ دیا ہو (مقدمہ، جلد اول، صفحہ چہاردہ)۔

۳۔ تذکرۂ ہفت اقلیم*، امین احمد رازی، تصحیح و تعلیقات و حواشی سید محمد رضا طاہری "حسرت"، ناشر: سروش، تہران، ۱۳۷۸ش/۱۹۹۰ء، ۳ جلد۔ مرتّب نے تین قلمی نسخوں اور دو سابقہ اشاعتوں سے استفادہ کیا ہے۔ قلمی نسخوں میں مدرسۂ عالی شہید مطہری، تہران، شمارہ ۱۱۲۳؛ ملک تہران شمارہ ۴۳۱۳ اور دانشکدہ ادبیات مشہد مکتوبہ ۱۰۸۶ھ احمد آباد گجرات اور سابقہ طباعتوں میں کلکتہ اور تہران اشاعت شامل ہیں۔ مرتّب نے حواشی اور اشاریوں کا اہتمام کیا ہے۔

ہیمالیا، سید علی رضا نقوی و جلیل دوست خواہ:

ہیمالیا*، (بر گزیدۂ شعر پانزدہ تن از شاعران اردو زبان)، ترجمہ سید علی رضا نقوی و جلیل دوست خواہ، ناشر: کتابخانہ طہوری، تہران، خرداد ماہ ۱۳۴۲ش/۱۹۶۳ء، بیسویں صدی کے پندرہ نامور اردو شعرا کے اردو کلام کا فارسی ترجمہ مع حالات ہے۔

ایسے تذکرے جن پر ایران میں کام ہوا ہے لیکن ابھی شائع نہیں ہوئے:

تصحیح انتقادی تذکرہ **تحفۃ الشعرا** تالیف بابا افضل بیگ خان اورنگ آبادی با تحقیق در احوال و سبک مولف، بہ کوشش مطہرہ آزادی خواہ، دانشکدہ علوم انسانی دانشگاہ سمنان، شہریور ۱۳۹۱ش/۲۰۱۲ء، ایم اے کا سندی مقالہ ہے۔ اس میں آصفیہ حیدرآباد دکن کے دو نسخوں (ایک کی تاریخ کتابت ۱۱۸۵ھ ہے) اور ایک مطبوعہ مرتّبہ حفیظ قتیل، حیدرآباد دکن ۱۹۶۱ء سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ سندی مقالہ بھی مظہر جان جاناں کے حالات پر ختم ہو جاتا ہے۔

تذکرۂ حسینی، میر حسین دوست سنبھلی، الہام زاد افشار، بہ راہنمائی سعید شفیعیون، دانشکدۂ ادبیات، دانشگاہ اصفہان، سندی مقالہ برائے ایم اے، ۱۳۹۵ش/۲۰۱۶ء

تذکرۂ حسینی، میر حسین دوست سنبھلی، بہ تصحیح محمد خشکاب

مجمع النفایس (بخش معاصران)، سراج الدین علی خان آرزو، الہام زاد افشار، بہ راہنمائی سعید شفیعیون، دانشکدۂ ادبیات، دانشگاہ اصفہان، سندی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ۲۰۲۲ء

علم سیر و مغازی میں محمد بن اسحاقؒ کی خدمات اور محدثین کی آراء

جاوید احمد ملک

ریسرچ اسکالر، اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ، کشمیر

javaidislamicstudies@gmail.com

صحابہ کرامؓ نے اگرچہ نبی علیہ السلام کی کوئی تصویر نہیں بنائی ،تاہم انہوں نے آپ علیہ السلام کی عظیم شخصیت، بے مثال کردار واخلاق، پاکیزہ احوال وعادات، حسین و جمیل وضع قطع، باقار نشست و برخاست، منفرد آداب واطوار اور دلکش شمائل وخصائل کا مرقع ایک ایسے کامل انداز میں امت تک پہنچایا، جو تصویر کی برائیوں سے پاک تھا اور جس کے بعد امت کو آپ علیہ السلام کی تصویر کی ضرورت بھی نہ رہی۔ گو کہ متقدمین کی اصطلاح میں غزوات وسرایا کے واقعات کو سیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور متاخرین کے نزدیک غزوات وسرایا کے ساتھ ساتھ آپ علیہ السلام کے باقی حالات زندگی کو سیرت میں شامل کیا گیا، تاہم ماضی قریب میں مختلف محرکات کی بنا پر اب اہل سیر کے نزدیک آپ علیہ السلام سے متعلق بالواسطہ وبلاواسطہ جو بھی معلومات پائی جاتی ہے اس کو سیرت کہتے ہیں۔ اس فن کی جمع وتدوین اور اشاعت وترویج کی ابتدائی کوششیں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور امام زہری رحمہم اللہ کے ذریعے سے پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہو گئی تھی، تاہم باقاعدہ تصنیف وتالیف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ جس میں سب سے نمایاں کام محمد بن اسحاق کا قرار پایا۔ تاہم اس امت کا امتیاز ہے کہ نبی علیہ السلام سے جو بھی چیز منسوب ہے، اس کو آگے منتقل کرنے سے پہلے محدثین نے روایت حدیث کی جو شدید شرائط طے کی ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے شاید ہی کوئی ان کی تنقید سے بچا ہے۔ روایتِ حدیث کے معاملے میں نہ ہی ایک بیٹے نے اپنے والد کی پرواہ کی ہے اور نہ ہی شاگرد نے اپنے استاد پر تنقید کرنے میں کسی قسم کی کوئی مداہنت برتی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی محمد بن اسحاق ہے۔

پیدائش وخاندان

محمد بن اسحاق (م۔ ۱۵۱ھ) کے دادا جنگ عین التمر ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ

آئے، جہاں وہ حضرت قیس بن مخرمہ مطلبی کے غلام بنے، پھر مشرف باسلام ہونے پر آزاد ہوئے۔ مدینہ ہی میں ان کے فرزند اسحاق سنہ ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کے پوتے محمد بن اسحاق سنہ ۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ آپ ''موالی''* میں سے تھے، تاہم مدینہ منورہ کے علمی ماحول، سرپرست خاندانوں کی علم نوازی اور بہترین سلوک اور اسلام کے نظریۂ مساوات کی وجہ سے طبقۂ موالی نے مختلف علوم وفنون میں اعلیٰ مہارت حاصل کی اور پھر درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد اور میدان کارزار میں شاندار کارنامے انجام دئے۔

اساتذہ اور تلامذہ

محمد بن اسحاق فن سیرت و مغازی کے امام کہلاتے ہیں۔ آپ تابعی ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی ہے۔ سید التابعین سعید بن مسیبؒ سے، جو حضرت ابوہریرہؓ کے تلامذہ میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے، آپ نے کسب فیض کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے قاسم وعاصم پسران محمد بن ابو بکر، ابان بن عثمان، امام باقر، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت نافع اور امام اعرج جیسے کبار علماء حدیث و سیرت سے بھی علم حاصل کیا۔ بقول پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی (م: ۲۰۲۰ء): یہ تمام وہ علماء و شیوخ ہیں جن کے علمی تبحر اور دیانت وصلاحیت کی قسم کھائی جاتی ہے[1]۔ آپ کے شاگردوں میں امام یحییٰ بن سعید الانصاری، امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عینیہ اور امام شعبہ رحمہم اللہ جیسے کبار ائمہ حدیث شامل ہیں۔

علم سیرت میں آپ کا مقام ومرتبہ

محمد بن اسحاقؒ علم حدیث میں بھی بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ امام زہریؒ کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے علم سیر و مغازی میں واقفیت حاصل کرکے منتشر روایات کو باقاعدہ و سائنٹفک طریقے سے جمع کرکے ایک کتابی شکل دے کر اس علم کو ترقی دی۔ ان کی کتاب سیرت کے عنوان پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے، جو ہمیں اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک مکمل وضخیم کتاب کی صورت میں ملی ہے۔ گو کہ ان سے پہلے عروہ بن زبیرؓ، امام زہری اور متعدد تابعین نے سیر و مغازی پر کتابیں لکھیں تھیں، تاہم باقاعدہ تصنیف کا، جس

---

* موالی ''مولی'' کی جمع ہے۔ یہ اصطلاح آزاد کردہ غلاموں کے لئے استعمال کی جاتی تھی جو اپنے سابق مالک کے مددگار اور حلیف سمجھے جاتے تھے۔ آزاد کرنے والے مالک کو بھی ''مولی'' کہا جاتا تھا یعنی دونوں ایک دوسرے کے مولی ہوتے تھے۔ (مدیر)۔

۱۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، مصادر سیرتِ نبوی، نئی دہلی: قاضی پبلشرز ۲۰۱۶ء، ۱/۴۷۔

کا ایک بڑا حصہ آج ہمارے پاس موجود ہے، شرف ابن اسحاق کو ہی حاصل ہے۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

یہ حقیقت واضح ہے کہ ابن اسحاق اولین سیرت نگارِ رسول نہیں تھے۔ اولیت کا سہرا تو کسی گمنام سیرت نگار کے سر بندھتا، تاہم یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق کی سیرت نبویابن ہشام کی تہذیب کی شکل میں ہم تک پہونچنے والی سب پہلی کتاب ہے اور یہی اس کی فضیلت ہے۔[۲]

خود ان کے استاد امام زہریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ: ھذا اعلم الناس بھا، (یعنی میرا) یہ (شاگرد) اس علم کا سب سے بڑا عالم ہے''۔[۳] اسی طرح امام شافعیؒ سے منقول ہے: ''من اراد أن یتبحر فی المغازی فھو عیال علی ابن اسحاق''، یعنی جو علم مغازی و سیر میں تبحر حاصل کرنا چاہے وہ محمد بن اسحاق کا خوشہ چین ہے۔[۴]

بڑے بڑے ائمہ واقت ان کی قدر کرتے تھے اور امام موصوف کو ان کے حلقوں میں ایک نمایاں اختصاص حاصل تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔[۵]

متعدد مستند علماء نے ان کی ثقاہت کی شہادتیں دی ہیں۔ محمد بن سعد صاحبِ طبقات لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور لوگ (اہل علم) آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان ثوری، امام شعبہ، ابن عیینہ، یزید بن زریع، ابراہیم بن سعد، یزید بن ہارون بعلی اور محمد عبید کے دو بیٹے اور عبد اللہ بن نمیر وغیرہ آپ (ابن اسحاق) سے روایت کرتے ہیں۔[۶]

تعدیل و جرح اور نقطۂ اعتدال

علم و فضل کی اس فضیلت، وسعت نظر اور اہل علم میں مقام خاص ہونے کے باوجود بعض محدثین کرامؒ نے

۲۔ ماخذ سابق ص:۷۲۔

۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، تدوین سیر و مغازی، دیوبند: مکتبہ دارالعلوم، ۱۴۱۰ھ، ص:۲۰۹۔

۴۔ ماخذ سابق، ص مذکورہ۔

۵۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۲۰۱۹ء ۱/۱۷۔

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن سعد بصری، طبقات الکبریٰ، ترجمہ عبداللہ العمادی، دیوبند: حافظی بک ڈپو، ۲۰۰۰ء، ۷/ ۲۱۶۔

محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے کی نسبت اختلاف کیا ہے۔ دراصل ابن اسحاق کے بارے میں موافق و مخالف دونوں آراء ملتی ہیں۔ چنانچہ ان کی توثیق و تائید کرنے والوں میں امام زہری، ابن عیینہ، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن المدینی، امام شافعی، امام بخاری، یزید بن ہارون، یحی بن معین، عبداللہ بن قائد، ابن سلیمان اور امام احمد بن حنبل جیسے عظیم محدثین شامل ہے۔ اور جن اہل علم نے ابن اسحاق پر جرح و تنقید کی ہے ان میں امام مالک، امام نسائی، امام دارقطنی، ہشام بن عروہ، مکی بن ابراہیم اور یحی بن قطان وغیرہ شامل ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق فی نفسہ صدوق اور مرضی یعنی پسندیدہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کو حسَن الحدیث (حدیث میں اچھے) کہتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق قابل احتجاج* نہیں جبکہ امام شعبہ ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔[۷] امام مالکؒ نے ان کو روایات میں قابل اعتماد نہیں مانا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ابن اسحاق غزوات نبوی اور سیرت کے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں یہودیوں کی مسلمان اولاد سے روایت کرتے تھے اور یہ ان کے نزدیک قابل اعتراض بات تھی کیونکہ ان کے خیال میں ابن اسحاق روایات جمع کرنے کے شوق میں اس کا التزام نہیں کرتے تھے کہ ان کے راوی ثقہ بھی ہیں یا نہیں۔

یہ کوئی سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ امام موصوف علماء یہود کی روایات قبول کرتے تھے۔ ان روایات کو ہم ''اسرائیلیات'' کہتے ہیں۔ جو اسرائیلی روایت قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہو اس کے بارے میں کوئی ادنی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قابل اعتبار ہے۔ اور جن اسرائیلی روایات کے بارے میں قرآن و حدیث خاموش ہوں، یعنی نہ تائید کرتی ہوں اور نہ تکذیب، تو ان کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ایسی اسرائیلی روایات کو بھی نقل کرنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ ان سے کسی شرعی حکم یا عقیدے کی تکذیب لازم نہیں آتی۔ لیکن بعض کے نزدیک ان کو نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ جن اسرائیلی روایات سے قرآن و حدیث کی تائید ہوتی ہو، ان کے بارے میں جمہور کا موقف یہی ہے کہ وہ قابل نقل بھی ہیں اور قابل اعتبار بھی۔ بلکہ اس قسم کی اسرائیلی روایات کے بارے میں حدیث نبوی ہے: قال رسول اللہ علیہ السلام، حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل

---

* ۔ یعنی حجت نہیں ہیں۔

۷۔ حافظ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، بیروت: دار الفکر، ج ۱ ص ۱۷۳، بحوالہ مولانا ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دیوبند: کتب خانہ اعزازیہ، ۲۰۱۸، ۱/۹۱۔ ۹۲۔

سے روایت کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔[۸]

چونکہ قرآن نے سابقہ اقوام کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے اس لئے متقدمین علماء نے ان اقوام کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ اور اسی لئے اسرائیلیات کی نقل و روایت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مشہور جرمن مستشرق جوزف ہورووتز لکھتے ہیں:

قرآن کے مطالعے نے یمن کی تاریخ سے علماء کی دلچسپی پہلے ہی بڑھادی تھی۔ سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کا بیان ہے، اس سے علماء اس طرف متوجہ ہوئے کہ یمن میں عیسائیت اور یہودیت کے فروغ کے زمانے کی تحقیق کریں۔ اسی طرح اصحاب الفیل کا مطالعہ کرتے ہوئے یمن کے حبشی گورنر ابرہہ کی فوج کی تفصیلات درکار تھیں۔[۹]

ابن اسحاق پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے اخبار اہل کتاب کی نقل و روایت میں دلچسپی دکھائی ہے بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سے اہل علم حضرات نے اسرائیلیات کی جمع وتدوین کا کام انجام دیا ہے۔ چنانچہ جوزف ہورووتز لکھتے ہیں:

جنوب عرب میں وہب بن منبہ نے ابن اسحاق سے پہلے اسی طرح کے غیر اسلامی اخبار بے تکلف جمع کئے تھے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ اہل کتاب کے قصوں میں ابن اسحاق نے متعدد مواقع پر وہب بن منبہ کا حوالہ دیا ہے۔[۱۰]

بعد میں ائمہ مفسرین نے ابن اسحاق کی کتاب سے استفادہ کیا اور ابن اسحاق کی طویل عبارتوں کو اپنی تفاسیر اور کتب میں نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں ہورووتز لکھتے ہیں:

طبری نے اپنی تاریخ ہی میں نہیں، بلکہ اپنی تفسیر میں بھی انبیائے بنی اسرائیل سے متعلق ابن اسحاق کے طویل اقتباسات بکثرت نقل کردئے ہیں۔ اسی طرح الازرقی نے مکہ کی تاریخ قدیم میں ابن اسحاق کا جابجا حوالہ دیا ہے۔[۱۱]

۸۔ امام ابوداؤد سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، حدیث نمبر ۳۶۶۲۔

۹۔ پروفیسر جوزف ہورووتز، سیرۃ النبی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین، اردو ترجمہ، پروفیسر نثار احمد فاروقی، نئی دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۹۸ء، ص: ۱۱۳-۱۱۴۔

۱۰۔ ماخذ سابق، ص: ۱۱۸۔

۱۱۔ ماخذ سابق، ص: ۱۱۲۔

محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں متفرق اقوال نقل کرکے ماضی قریب کے مشہور محقق عالم مولانا ادریس کاندھلویؒ (م: ۱۹۷۶ء) لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روایت میں تدلیس کرتے تھے۔ دوم یہ کہ خیبر وغیرہ کے واقعات کو یہود خیبر سے دریافت کرتے تھے۔ دوسری وجہ موجب جرح نہیں۔ مزید توثیق کے لئے یہود سے واقعات کی تحقیق کرنا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ فقط یہود پر اعتماد کرنا اور محض ان کی روایات سے احکام شرعیہ کا ثابت کرنا درست نہیں۔ لیکن دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اور نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ محمد بن اسحاق یہود خیبر سے نافع اور زہری کی طرح روایت کرتے ہوں اور قاسم اور عطاء کی طرح یہود خیبر کو ثقہ سمجھتے ہوں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا مسلمان کافروں سے روایت کر سکتا ہے اور نہ ان کو ثقہ سمجھ سکتا ہے اور جس نے ایسا سمجھا غلط سمجھا۔ باقی تدلیس کے متعلق خود ائمہ حدیث نے تصریح کر دی ہے کہ تدلیس کا عنعنہ معتبر نہیں جب تک اس کا سماع ثابت ہو جائے۔[۱۲]

محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ابن اسحاق کی روایات قابل استناد ہیں۔ بلکہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اکثر واقعات ان سے ہی لئے ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ان سے موصولہ کوئی روایت نہیں لیا البتہ تعلیقاً ان سے روایت لی ہے۔ اصحاب سنن نے محمد ابن اسحاق سے روایت لی ہے اور امام مسلم نے مقروناً بالغیر ان سے روایت لی ہے۔[۱۳]

امام موصوف کے بارے میں موافق و مخالف اقوال نقل کرنے کے بعد حافظ شمس الدین ذہبیؒ امام اسماء الرجال اپنے قولِ فیصل سے اس موضوع کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں:

علماء کے نزدیک معمول یہ بات ہے کہ ابن اسحاق بعض اشیاء میں شذوذ کے باوجود مغازی اور غزواتِ نبوی کے بارے میں مرجع ہیں اور حلال و حرام میں حجت نہیں، ہاں ضعیف بھی نہیں ہیں، بلکہ ان سے استشہاد کیا جائے گا۔[۱۴]

اسی طرح بعض روایات میں اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ امام مالک کی جرح متعدی نہیں تھی۔ انہوں نے بعد میں اپنے متشدد موقف میں کسی قدر تخفیف فرمائی تھی۔ چنانچہ امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ: ''امام مالک نے صرف ایک

۱۲۔ مولانا ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دیوبند: کتب خانہ نعیمیہ ۲۰۱۸ء، ۱/ ۹۲۔

۱۳۔ ماخذ سابق، ۱/ ۱۲۵۔

۱۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۶۴، بحوالہ تدوین سیر و مغازی، ص ۲۰۸۔

مرتبہ محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں کہا تھا، پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے۔[۱۵]

اسلوب اور اندازِ نگارش

محدثین تقوی، اونچے معیار اور اعلیٰ احتیاط کے لحاظ سے ابن اسحاقؒ کی متعدد کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

(اول) وہ اپنی کتاب کے پہلے حصے (جو المبتدأ کہلاتا ہے) میں سابقہ انبیاء علیہم السلام اور سابقہ امم کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے بلاخوف روایات نقل کرتے ہے۔

(دوم) وہ ہر ہر راوی کا بیان الگ الگ نقل کرنے کے بجائے سب راویوں کی معلومات کو یکجا بیان کرتے ہیں، جس کو ہم مؤرخانہ اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ محدثین کا طریق کار یہ تھا کہ وہ کسی واقعہ یا حدیث کو بیان کرتے وقت جن جن راویوں سے جو جو ارشادات سنے ہوتے تھے تو ان سب ناموں کو صراحت سے پوری سَنَد کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اگر کسی اختلاف کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کے خاص راوی کا بھی ذکر کرتے ہیں، جس کو ہم محدثانہ اسلوب کہتے ہیں۔ جبکہ اہل سیر متعدد روایات وآثار کو جوڑ کر ان میں تسلسل و ربط قائم کر کے واقعات کو زمانی ترتیب کے مطابق بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ راویوں کے نام اور ساری اسناد ہر جگہ بیان کرنے کے بجائے کسی خاص جگہ بیان کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ سیرت و سوانح کے فن کا تقاضا تھا کہ اس طریقے کو اختیار کئے بغیر مسلسل و مربوط بیان پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لئے بعد میں جب علم سیرت کو ترقی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح حیات کو بیان کرنے کے لئے مورخین نے آگے چلکر ابن اسحاق ہی کا اسلوب اختیار کیا۔

یہ دراصل محدثین اور اہل سیر کے طریقۂ تدوین و تصنیف کا فرق تھا، جو بعد میں اختلاف کا باعث بنا۔ اور اس کی بناء پر ابن اسحاق جیسے امام سیرت کی دیانت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ پروفیسر یسین مظہر صدیقی اس کی مذمت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ عجیب بات ہے کہ ابن اسحاق پر تدلیس کے سبب بعض حضرات نے شدید تنقید کی مگر امام زہری وغیرہ کی

۱۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۹/۴۵، بحوالہ سیر الصحابہ، معین الدین ندوی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ب۔ت، ۷/۴۲۹۔

ایسی تمام روایات سب کے نزدیک مقبول رہیں اور کسی نے ان کو اس بنا پر ہدفِ تنقید نہیں بنایا۔ طرفہ ستم یہ کہ اکابر محدثین بھی اس عیب سے، اگر وہ عیب ہے، مبرا نہیں۔ انہوں نے بھی ایک سے زیادہ راویوں کی روایات مخلوط کر کے بیان کی ہیں جن کے مختلف حصوں کے بارے میں یہ حتمی طور سے کہنا ممکن نہیں کہ کون سا حصہ روایت یا متنِ حدیث کس راوی کا بیان کردہ ہے۔[۱۶]

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ جیسے محتاط محدث سے جب ان کے بیٹے نے پوچھا کہ آپ کو ابن اسحاق پر کیا اعتراض ہے، تو امام صاحب نے جواب دیا کہ :

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ بہت سے لوگوں سے ایک ہی واقعہ بیان کرتے ہیں اور اس کی بات کو اس بات سے الگ نہیں کرتے، اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا کہ کون سا حصہ مستند ہے اور کون سا غیر مستند ہے۔[۱۷]

تاہم امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے کہ : ''محمد بن اسحاق کی بات مغازی وغیرہ میں قابل قبول ہے، لیکن حرام و حلال (فقہ و شریعت) کے باب میں احتیاط کی جائے گی''۔[۱۸]

امام ابن اسحاقؒ سے پہلے عربی اسلامی سیرت نگاری کا سرمایہ چند کتب مغازی تھیں، جو اپنی جگہ کامل سیرت نبوی نہیں پیش کرتی تھیں۔ امام ابن اسحاق نے ایک مفصل سیرت نبوی لکھنی چاہی اور اس کا خاکہ اتنا وسیع کر دیا کہ وہ عالمی تاریخ اسلام نگاری کی اولین روایت بن گئی۔ ابتدائے آفرینش اور پیغمبران اسلام سے آغاز کر کے عرب اور اس کے قرب و جوار کی اقوام و ملل کی تاریخ انسانیت کو دامن تحریر میں لیتے ہوئے انھوں نے سیرت نبوی سے اس کا سرا جوڑ دیا اور پھر دو بنیادی ادوار ما قبل بعثت اور مابعد نبوت پر توجہ مرکوز کر دی اور خاتمہ خلافت اسلامی پر کیا تا کہ انسانی تاریخ اور اسلامی تہذیب کا تسلسل جاری و ساری نظر آئے۔[۱۹]

اسفار اور آخری قیام گاہ

امام موصوف نے زندگی کے آخری سالوں میں مشرقی علاقوں جیسے کوفہ، بصرہ، رے، اسکندریہ اور ارض الجزیرہ (شمالی عراق) وغیرہ کے اسفار کئے اور بالآخر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۵۱ھ میں

۱۶۔ مصادر سیرتِ نبوی، ا/۶۷۔

۱۷۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات سیرت، نئی دہلی: اریب پبلیکیشنز ۲۰۱۱ء، ص ۱۷۸۔

۱۸۔ عبدالرحمن ابن ابی حاتم رازی، الجرح والتعدیل، حیدرآباد، ج ۳/ قسط ۲ ص ۱۹۳، بحوالہ تدوین سیر و مغازی ص ۲۰۹۔

۱۹۔ مصادر سیرتِ نبوی، ۲/ ۵۲۵۔

انتقال کر گئے۔ ان کے اسفار جو انہوں نے دور عباسی کے آغاز ہی میں کئے تھے، کا محرک و مقصد سیرت نبوی کی اشاعت و ترویج تھی جس میں ان کو کمال کا درجہ حاصل تھا۔

امام موصوف نے ہجرت اور قیام عراق سے پہلے ہی مدینہ میں اپنی کتاب کی تکمیل کر لی تھی اور ان کے متعدد مدنی تلامذہ ان کی سیرت کی سماعت و روایت مدینۃ النبی میں کر رہے تھے۔ پروفیسر صدیقی اس کی تائید میں متعدد شواہد پیش کرتے ہیں:

> جوزف ہورووتز کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق نے مدینہ منورہ سے ہجرت اور نقل وطن کرنے سے قبل اپنی کتاب نہ صرف مکمل کر لی تھی بلکہ اس کی مسلسل روایت کرتے رہے تھے۔ چنانچہ ان کے مدنی شاگرد ابراہیم بن سعد نے اس کی سماعت و روایت مدینہ ہی میں کی تھی۔ اس کی ایک مزید تائیدی دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق ابن اسحاق پھر کبھی مدینہ نہیں آئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق پوری کی پوری مدنی راویوں کی روایات پر مبنی ہے اور اس میں کہیں بھی کسی عراقی راوی کا نام نہیں آیا ہے۔[۲۰]

محمد بن اسحاق کی کتاب پر ابن ہشام کا کام

ابن اسحاق کی کتاب اتنی وسیع اور متداول ہوئی کہ آگے چل کر اس کے مواد میں تنوع آگیا۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کے اول حصہ المبتدأ کو، جو اسرائیلیات پر مبنی تھا، نکال دیا اور اس میں نقل شدہ غیر ضروری اشعار کو بھی حذف کر دیا۔ غرض ابن ہشام نے اس کی از سر نو تہذیب، تلخیص اور تدوین کر کے اس کو ایک نئی، معیاری اور مستند شکل دے دی۔ بقول پروفیسر صدیقی:

> بہت سے الحاقی اور نقلی اشعار تھے جن پر ابن ہشام نے نقد کیا۔ ایسے اشعار کو کسی طرح اصلی نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ ان کی بہر کیف یہ اہمیت ضرور ہے کہ وہ ابن اسحاق کی معاصر شاعری اور لغت و ادب کی عکاسی کرتے ہیں اور تاریخ و سیرت کے لئے نہ سہی عربی زبان و ادب کے باب میں ان کی ایک جگہ ہے۔[۲۱]

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب ''محاضراتِ سیرت'' میں (جو در اصل ان کے علم سیرت پر ایک لیکچر سیریز کی کتابی شکل ہے) ابن اسحاق کی کتاب اور اس پر ابن ہشام کی تحقیق و تدقیق اور ترمیم و اضافہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان طویل اقتباسات کو یہاں دامن تحریر میں لانا طوالت کا باعث بنے گا۔ اہل علم

۲۰۔ ماخذ سابق ۱/۷۸۔

۲۱۔ ماخذ سابق، ۱/۸۲۔

اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ابن ہشام کے کام کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر صدیقی لکھتے ہیں:

یہ سعی وکاوش کچھ ایسی مبارک ساعت میں ہوئی تھی کہ اس سے (یعنی ابن اسحاق کی کتاب سے) زیادہ مقبول ومعتبر اور متداول ہوگئی جس کے نتیجے میں اصل سیرت ابن اسحاق کے نسخے کمیاب ہوتے چلے گئے تاآنکہ ناپید ہوگئے۔ اور آج سیرت ابن ہشام میں اس کے مؤلف گرامی اور جامع سامی دونوں زندہ ہیں۔[۲۲]

ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) نے بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ابن اسحاق کے دو شاگرد یونس بن بکیر اور محمد بن مسلمہ کی روایات کو جمع کر کے سیرت ابن اسحاق کو ۱۴۰۱ھ میں مراکش سے شائع کرایا۔ سیرت ابن اسحاق کا فارسی ترجمہ شیخ سعدی کے معاصر بادشاہ ابو بکر بن سعد کے زمانے میں ہوا ہے۔

کارنامۂ عظمیٰ

امام موصوف نے سیرت نبوی سے متعلق منتشر، متفرق اور زبانی روایات کو ایک جگہ جمع کر کے فنِ سیر و مغازی کو باقاعدہ بنا کر ایسا کارنامہ انجام دیا، جو بعد میں خاص وعام کے لئے عظیم نفع کا باعث بنا، یعنی متاخرین کے لئے ان کی کتاب مرجع ثابت ہو۔ انہوں نے ان کی کتاب اور نہج واسلوب کو سامنے رکھ کر نئی نئی کتابیں تصنیف کیں اور عوام کو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مربوط سیرت کو باقاعدہ جاننے کا موقع بہم پہنچایا۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

ابن اسحاق پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس علم کی طرف توجہ کی، اور اس کو اتنا بڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا۔ اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص وحکایات سے تاریخ کی طرف پھیر دی۔ اس طرح انہوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا۔[۲۳]

اسی طرح امام ابن عدی محمد ابن اسحاق کے عالمگیر کارنامے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل کر ان کی توجہ اور مشغولیت لاحاصل کتابوں سے رسول اللہ علیہ السلام کے مغازی، آپ کی سنت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی۔ تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا

۲۲۔ ماخذ سابق، ۵۲۵/۲۔

۲۳۔ سیر الصحابہ، ۴۳۱/۷۔

یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا۔ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر
کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجے کو نہ پہنچ سکا۔[۲۴]

اسی کارنامہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جرمن مستشرق پروفیسر ہورووتز لکھتے ہیں :

ابن اسحاق کو کچھ مواد اسے اپنے استادوں سے پہنچا تھا اور کچھ اسنے بطور خود جمع کیا تھا۔یہ ترتیب و تنظیم بجائے خود ایک بڑا کام ہے۔چاہے ابن اسحاق سے پہلے کچھ اور لوگوں نے بھی یہ کام کیا ہو، تب بھی اسے اس لحاظ سے اولیت کا شرف حاصل رہے گا کہ اس نے رسول اللہ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف ادوار کو نہ صرف ایک تناسب کے ساتھ اپنی تالیف میں پیش کیا بلکہ انبیاء سابقین کے حالات شاملکر کے سیرت کے موضوع میں وسعت پیدا کر دی۔اور اسے تاریخ رسالت بنادیا۔[۲۵]

یہ بات واضح ہے کہ امام محمد بن اسحاق علم سیر و مغازی کے اگرچہ بانی قرار نہیں دئے جا سکتے، تاہم انہوں نے اس فن کو ترقی دینے اور باقاعدہ تصنیف و تالیف میں جو نمایاں کردار ادا کیا، وہ اس فن کی تاریخ کا پہلا روشن باب ہے۔انہوں نے اپنے پیشرؤوں کے منتشر و متفرق کام کو جمع کر کے مزید اپنی تحقیق و تدقیق سے ایک ایسی کتاب تیار کی، جس کے بغیر علم سیر و مغازی کی روشن تاریخ نامکمل ہے۔اگرچہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی ڈھانچہ قرآن و صحیح السند احادیث سے مکمل ہو جاتا ہے، تاہم ذیلی واقعات سے بنیادی واقعاتِ سیرت کا باہمی ربط وجوڑ اور باقی جزوی تفصیل علم سیر و مغازی ہی کے ذریعے ممکن ہے۔اور اس فن کی باقاعدہ ابتداء ابن اسحاق کی کتاب سے شروع ہوتی ہے۔ گو کہ بعض ائمہ فن اور محدثین کرام نے ان پر تنقید کی ہے، مگر اس تنقید کا تعلق عقائد اور حلال و حرام کے امور سے ہے، جبکہ تمام محدثین کا متفقہ اصول ہے کہ سیر و مناقب اور فضائل میں روایت کا معیار کسی قدر کم ہو جاتا ہے اور ضعیف السند روایات بھی اس میدان میں قابل قبول تسلیم کی جاتی ہے۔ابن اسحاق کے کام اور میدان کا تعلق عقائد و مسائل سے نہیں بلکہ سیر و سوانح اور فضائل مناقب سے ہے۔اس لئے وہ اس فن میں امام کی حیثیت سے ایک اونچا مقام رکھتے ہیں۔متاخرین اہل سیر نے ان کی کتاب سے استفادہ کر کے اپنے اپنے ادوار میں سیرت پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔آج تک شاید ہی کوئی سیرت نگار ہوگا، جو ابن اسحاق کی کتاب سے مستغنی ہوا ہو۔سیرت و مغازی کے اس درخشان و پائندہ علم پر جب بھی زبان و قلم حرکت میں آئی گی، ابن اسحاق کا نام اور ان کی کتاب کا تذکرہ اور استفادہ ہر دور میں کیا جائے گا۔

۲۴۔ تہذیب التہذیب ۹/ ۴۴، بحوالہ، سیر الصحابہ ۷ /۴۳۱۔

۲۵۔ سیرۃ النبی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین، ص ۱۲۳۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ان کی تفسیر تدبر قرآن

عبدالمنان چیمہ

ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامی و عربی علوم، یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان

abdulmanan522@gmail.com

قرآن مجید کے ہر پہلو کو نسلِ انسانی کے سامنے اجاگر کرنے کے لیے مسلمان اہل قلم نے مختلف زبانوں میں قرآنی تفاسیر تحریر کیں۔ تفسیری ادب کے ارتقا میں بیسویں صدی عیسوی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس دوران علم تفسیر کے باب میں نئے دور کا آغاز ہوا اور تفسیر نویسی کے حوالے سے کئی مکاتبِ فکر اور متعدد نئے رجحانات سامنے آئے۔ ان میں سے ایک فراہی مکتبِ فکر[1] ہے جس کی نمایاں جھلک تفسیر ''تدبرِ قرآن'' میں دکھائی دیتی ہے جو مولانا امین اصلاحی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا مختصر تعارف

مولانا اصلاحی 1904ء میں اعظم گڑھ کے قریب ایک گاؤں بمہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ مرتضیٰ پیشے کے اعتبار سے زمیندار تھے۔ آپ کا تعلق ایک دینی گھرانے سے تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا آغاز مدرستہ الاصلاح سے ہوا۔ آپ نے اس ادارے میں مختلف علوم و فنون میں دسترس حاصل کی۔ مولانا امین احسن اصلاحیکا شمار برصغیر پاک وہند کی مایہ ناز علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی کو تقریر و تحریر میں کمال حاصل تھا۔ ان کی فکر سے اختلاف رکھنے والوں نے بھی ان کی علمی وادبی عظمت کا اقرار کیا ہے۔ آپ کو مولانا حمید الدین فراہیؒ[2]، مولانا ابو الحسن ندویؒ اور مولانا سید مودودیؒ جیسی بلند پایہ شخصیات کی رفاقت حاصل

۱۔ فراہی مکتبِ فکر کا تعلق مولانا حمید الدین فراہیؒ (م: ۱۹۳۰ء) سے ہے۔ آپؒ بیسویں صدی عیسوی کے اکابر علمائے دین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں آپؒ نے ایک جداگانہ مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا عبد الماجد دریا بادی جیسے بلند پایہ مفسرین مولانا کی علمی خدمات کے معترف و دلدادہ تھے۔ اگرچہ یہ علمائے کرام اپنے ذوق وطبعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نقطہ نظر رکھتے تھے لیکن اپنی فکر میں کافی حد تک فکرِ فراہی سے متاثر بھی نظر آتے ہیں۔

۲۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ ضلع اعظم گڑھ کے گاؤں پھریہا میں پیدا ہوئے۔ مولانا شبلی نعمانی بھی اسی خاندان کے چشم

رہی۔ طویل عرصہ تک جماعت اسلامی میں مولانا سید مودودیؒ کے دست راست رہے اور جماعت اسلامی میں نائب امیر کے طور پر فرائض سرانجام دیئے۔

مولانا اصلاحی ۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی سے بعض اختلافات کی بناء پر الگ ہو گئے۔[۳] بعد ازاں آپ نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی کی فکر کو آگے بڑھانا اپنی زندگی کا مشن قرار دیا۔ انہوں نے تفسیر ''تدبر قرآن'' اور دوسری تصانیف وتالیفات کے ذریعے فکرِ فراہی کا پرچار کیا۔ آپ نے ''تدبر قرآن'' میں اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نظریہ نظمِ قرآن کی بھرپور انداز میں پیروی کی۔ اس تفسیر میں محض ان کا فکر وتدبر ہی شامل نہیں ہے بلکہ یہ تفسیر ان کے استاد حمید الدین فراہیؒ کی فکر کی توضیح و تکمیل ہے۔ آپؒ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔[۴]

مولانا اصلاحی نے سرگرم اور فعال زندگی بسر کی۔ اردو زبان وادب کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے رموز واسرار پر عالمانہ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز اپنے استاد مولانا فراہیؒ کے افکار و نظریات کو عوام الناس میں روشناس کرانے سے کیا۔ قرآن پاک کی زبان اور زمانہ جاہلیت کے عربی ادب پر ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ تفسیر قرآن کے سلسلے میں زبان وادب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل شے جو قرآن کے سمجھنے میں کارآمد ہے وہ اس زبان و ادب کا اعلیٰ مذاق ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جس میں زبان وادب کا ذوق نہ ہو، وہ قرآن مجید کے محاسن کا اندازہ نہیں کر سکتا۔[۵] اس لئے انہوں نے مولانا فراہیؒ کے عربی زبان میں اصول تفسیر اور تفسیری رسائل کو اردو جامہ پہنایا۔ اسی دوران انہوں نے اپنے استاد کی فکر کی روشنی میں اپنے تحقیقی و علمی کام کا آغاز کیا۔ ان کا یہ علمی کام تفسیر، حدیث، کلام، اصول فقہ اور تزکیہ نفس پر

وچراغ تھے اور وہ فراہیؒ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آپ نے عربی زبان وادب مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا عبد الحئی اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے سیکھی۔ ساری زندگی تعلیم و تعلم میں گزاری۔ آپ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا خاص کارنامہ نظمِ قرآن ہے۔ ان کے مطابق قرآن پاک پہلی سورت سے آخری سورت تک ایک مربوط کلام ہے۔ اس کی تمام سورتیں اور آیات مربوط و منظم ہیں۔ ان کا خیال ہے نظم قرآن کے ذریعے آیاتِ قرآنی کی تعبیر و تشریح کی جائے تو بہت سے اختلافات کا خاتمہ ممکن ہے اور آیات کے ایک مفہوم کا تعین ہو سکتا ہے۔ آپ کا انتقال ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء کو ہوا۔

۳۔ تدبر (سہ ماہی)، لاہور، جنوری ۱۹۹۸ء، شمارہ ۵۹، ص۔ ۱۱

۴۔ اختر حسین عزمی، (ملخص) مولانا امین اصلاحی حیات وافکار، نشریات لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۔ ۵۵

۵۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۹ء، جلد ۱، ص۔ ۱۶

مشتمل ہے۔اس کے علاوہ مولانا امین ااصلاحی ایک عمدہ خطیب اور صاحبِ اسلوب ادیب بھی تھے۔انہوں نے جو کچھ لکھا، وہ اسلوبِ بیان کے اعتبار سے شاہکار ہے۔ مولانا کی تصانیف پڑھنے سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تحریر کا علمی پہلو زیادہ مؤثر ہے یا ادبی کیونکہ دونوں پہلو اپنی انتہاؤں پر دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا اصلاحیؒ کو دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب کی حیثیت حاصل تھی۔ مولانا ااصلاحی اسلامی علوم و فنون کے شناور اور معتبر صاحبِ قلم تھے۔ان سے اختلاف کرنے والوں نے بھی ان کی علمی عظمت تسلیم کی ہے۔انہوں نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' اور دوسری تصانیف کے ذریعے مولانا فراہیؒ کی فکر کو اردو دنیا سے یوں روشناس کرایا کہ ''فراہی اسکول'' کی بنیاد پڑ گئی اور اس پر ریسرچ اور تحقیق کرنے والوں کی ایک ٹیم تیار ہو گئی۔یہ مولانا اصلاحیؒ کی فکرِ فراہی کی نمایاں خدمت ہے۔[6]

تدبر قرآن کا شمار اردو کی جامع، مفصل اور علمی تفاسیر ہوتا ہے۔اس تفسیر میں قرآن کا مطالعہ ایک نئے فکری زاویے سے کیا گیا ہے۔اس تفسیر کو مولانا اصلاحیؒ کے تقریباً نصف صدی پر مشتمل مطالعہ اور تحقیق کا نچوڑ قرار دیا جاتا ہے۔

عربی تفاسیر میں ابو عبیدہؒ کی مجاز القرآن اور یحییٰ بن زیاد الفراء[7] کی معانی القرآن ادبی اور لغوی اعتبار سے تفسیر نویسی کا اولین ماخذ ہیں۔ مولانا ااصلاحی نے اپنی تفسیر میں ان دونوں تفاسیر سے بھرپور استفادہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ ادبی و لغوی اعتبار سے ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے۔[8] محمد الیاس اعظمی لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ادب و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔[9] تفسیری ادب میں ان کے اسلوبِ بیان اور نئے رجحان نے لوگوں کی کثیر تعداد کو متاثر کیا۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اپنی کتاب ''محاضراتِ قرآنی'' میں لکھتے ہیں کہ مولانا امین اصلاحی نے بڑی تعداد میں لوگوں کو متاثر کیا اور نیا رجحان پیدا کیا۔[10] مولانا اصلاحیؒ نے فقہی، جماعتی اور گروہ بندی سے بالاتر ہو کر قرآن کے تفسیری ادب میں نیا رجحان پیدا کیا۔وہ امت مسلمہ کے فقہی اختلافات کا حل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس

---

[6] ۔سید جلال الدین عمری، مدرستہ الاصلاح اور اس کی خدمات، تحقیقات اسلامی، جولائی۔ستمبر ۲۰۲۰ء، ص۔۱۲

[7] ۔یحیٰ بن زیاد الفرا وہ شخصیت ہیں جنہوں سب سے پہلے نے قرآن مجید کے لغوی محاسن اور ادبی اسالیب پر جامع کام کیا۔انہیں امیر المومنین فی النحو کہا جاتا تھا۔مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ڈاکٹر محمود غازیؒ، کتاب محاضرات قرآنی، ص۔۲۳۹

[8] ۔خورشید احمد ندیم، اسلامی علوم کے ارتقا میں امام اصلاحی کا حصہ، اشراق جنوری۔فروری ۱۹۹۸، ص۔۹۱-۹۲

[9] ۔علوم القرآن، علی گڑھ، امین احسن اصلاحی نمبر، ص۔۴۸۳

[10] ۔ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ قرآنی، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، لاہور ۲۰۰۹، ص۔۲۱۷

اصول پر مجتمع ہونا چاہئے کہ اسلامی قوانین پرکھنے کی اصل کسوٹی قرآن و سنت ہے۔[۱۱]

نظمِ قرآن کا پس منظر اور مولانا اصلاحیؒ

صدیوں پر مشتمل تفسیر نویسی کی تاریخ میں نظم قرآن کی علمی کاوش شاذ ہی دکھائی دیتی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی عمیق گہرائیاں اور باریکیاں اس کی آیات و سور کے مابین ربط و تعلق میں پائی جاتی ہیں۔ نظم قرآن ایک عظیم المرتبت علم ہے لیکن اکثر و بیشتر مفسرین کرام نے اس سے صرفِ نظر کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی معروف کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں نظم قرآن پر مناسبۃ الآیات والسور کے عنوان سے باندھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآنی آیات میں ربط، ہم آہنگی اور نظم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ نظم قرآن پر علامہ سیوطی کی کتاب تناسق الدرر فی تناسب السور کا تذکرہ ملتا ہے۔ ابو جعفر شیخ ابو حیانؒ نے اس موضوع پر البرھان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ شیخ برہان الدین البقاعیؒ کی نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور اس موضوع انتہائی اہم کتاب ہے۔ برہان الدین البقاعی کی تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور[۱۲] کے علاوہ علامہ ابو جعفر بن زبیر کی کتاب البرھان فی تناسب سور القرآن، محمود السید شیخون کی الاعجاز فی نظم القرآن اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کے رسالے دلائل النظام میں نظم قرآن کی جھلک ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ دورِ حاضر کے ممتاز عالم دین شیخ محمد علی صابونی نے اپنی تفسیر صفوۃ التفاسیر میں زیر بحث آیات کی سابقہ آیات سے مناسبت پیش کرتے ہیں۔ بعض علماء نظریۂ نظم قرآن کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں اور نظم قرآن کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام، امام محمد علی الشوکانی، شاہ ولی اللہ اور علامہ شبلی نعمانیؒ شامل ہیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کے مطابق قرآن مجید کی اکثر آیات میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے[۱۳]۔ مولانا فراہیؒ کے نظریہ نظم قرآن کی روشنی میں مولانا اصلاحی نے نظم

---

[۱۱]۔ امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۱۸

[۱۲]۔ برھان الدین البقاعیؒ ۸۰۹ھ میں شام کے علاقہ بقاع میں پیدا ہوئے۔ آپ کتب کثیرہ کے مؤلف ہیں۔ آپ کی شہرت معروف تفسیر نظم الدرر کی بدولت ہے۔ یہ تصنیف ۱۹۶۹ء میں حیدرآباد سے کئی ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی اور بعد ازاں قاہرہ (مصر) سے ۲۲ جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ نظم قرآن کے موضوع پر ایک نمائندہ اور اولین تفسیر ہے۔ اس میں صاحب تفسیر نے قرآنی نظم و ربط کے اصول و قوانین وضع کئے ہیں اور انہیں اپنی تحریر میں استعمال بھی کیا ہے۔ ان کے مطابق جس طرح قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے اسی طرح نظم و ترتیب کے لحاظ سے بھی شاہکار ہے۔

[۱۳]۔ دیکھئے: مقالات شبلی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ ۲۰۰۸، جلد دوم، ۲/ ۱۳۔۱۵۔

قرآن کے باقاعدہ اصول و قوانین مرتب کئے اور اس اعتبار سے ہر پہلو کی نشاندہی کی ہے۔آپ کی یہ منفرد علمی کاوش یقیناً لائقِ تحسین ہے۔

"تدبر قرآن" نو ضخیم جلدوں پر مشتمل تفسیر ہے جو ۲۱ سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوئی۔[۱۴] مولانا اصلاحی نے اپنی اس تفسیر میں قرآن کے داخلی وسائل وذرائع سے آیات کی تشریح کرنے کی سعی کی ہے۔ جیسا کہ وہ مقدمہ میں تفسیر لکھنے کا مقصد بیان کرتے ہیں،اس کتاب کے لکھنے سے میرے پیش نظر قرآن پاک کی ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے جس میں میری دلی آرزو اور پوری کوشش اس امر کے لئے ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث اور لگاؤ اور ہر قسم کے تعصب و تحزب سے آزاد اور پاک ہو کر ہر آیت کا وہ مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور فی الحقیقت اس آیت سے نکلتا ہے۔اس مقصد کے تقاضے سے قدرتی طور پر میں نے اس میں فہم قرآن کے ان وسائل وذرائع کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً قرآن کی زبان،قرآن کا نظم اور قرآن کے نظائر وشواہد۔[۱۵]

تفسیر کی ابتداء میں مولانا اصلاحی نے ایک جامع اور مفصل دیباچہ تحریر کیا ہے جو آپ کے اسلوب تحریر اور تفسیر کے منہج پر بھرپور انداز میں روشنی ڈالتا ہے۔اس میں آپ نے فہم قرآن کی علمی و فنی اور داخلی و خارجی شرائط کو بیان کیا ہے۔آپ نے فہم قرآن کے ذرائع کو داخلی اور خارجی وسائل[۱۶] میں تقسیم کیا ہے۔آپ آیات قرآنی کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے داخلی وسائل کو ترجیح و فوقیت دیتے ہیں۔داخلی وسائل میں قرآن کی زبان،قرآن کا نظم وربط، تفسیر قرآن بالقرآن کے اصول شامل ہیں۔

مولانا اصلاحی اپنی تفسیر میں ہر جلد پر سورہ کا نام اور اس کا نمبر تحریر کرتے ہیں۔ مولانا اصلاحی ہر سورہ کی تفسیر سے پہلے اس کا مرکزی خلاصہ تحریر فرماتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ پچھلی سورتوں کے ساتھ اس کا معنوی ربط کیا ہے ؟ پھر پوری سورے کا تجزیہ پیش کرتے ہیں اور ایک ہی مضمون پر مشتمل آیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پھر ان آیات کی تشریح و توضیح بیان کرتے ہیں۔ ہر آیت کی لغوی ساخت،مشکل الفاظ اور اسالیبِ زبان کی وضاحت کرتے ہیں۔ پھر آیات کا اندرونی نظم و ربط اور مفہوم بیان کرتے ہیں۔اس طرح ہر آیتِ قرآنی کا سیاق وسباق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے اور پوری سورے کا لب لباب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ طرزِ

---

[۱۴] ۔ تکبیر (ہفت روزہ)، کراچی،۲۵ دسمبر ۱۹۹۷، ص ۴۷

[۱۵] ۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد ۱/۱۳

[۱۶] ۔ خارجی وسائل میں سنت متواترہ، احادیث و آثار صحابہ، شانِ نزول، کتب تفاسیر، قدیم آسمانی صحائف (توریت و انجیل) اور تاریخ شامل ہیں۔

بیان بالکل جداگانہ اور منفرد ہے۔

مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں جابجا مفرداتِ قرآنی کی لغوی تشریح میں بطورِ تائید کلام عرب پیش کیا ہے۔ اگرچہ بیشتر مقالات پر دیگر مفسرین نے بھی ان الفاظ کے وہی معانی بیان کئے ہیں جو مولانا اصلاحی کے نزدیک ہیں لیکن عربی اشعار کے ذریعے ان الفاظ کے معانی مزید واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں اور وہ ان کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں عربی زبان و ادب سے استدلال کرتے ہوئے ایسے معانی بیان کئے ہیں جو مفسرین کے بیان کردہ معانی سے مختلف ہیں۔ ایسے مواقع پر مولانا موصوف کی تحقیقی عظمت نمایاں ہوتی ہے اور ان کے بیان کردہ معانی زیادہ قابل قبول معلوم ہوتے ہیں۔[۱۷]

اس تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کا رنگ صاف دکھائی دیتا ہے۔ ادبی و نحوی مشکلات میں قرآن کو اصل ماخذ تسلیم کرتے ہوئے قرآن ہی کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنی کی تاویل و تفسیر دوسری آیاتِ قرآنی کی مدد سے کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں غیر تقلیدی رویہ دکھائی دیتا ہے۔ شرعی اصطلاحات صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ کے سلسلے میں سنت متواترہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ جزوی و فقہی اختلافات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ آپ نے تفسیر میں بہت ہی کم احادیث سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح مجتہدین اور مفسرین کے بہت ہی کم اقوال نقل کئے ہیں۔ تصوف کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے قرآن مجید کو سات گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر گروپ کا آغاز ایک یا زائد مکی سورتوں سے ہوتا ہے جبکہ اس گروپ کا اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔[۱۸]

تدبر قرآن ایک منفرد انداز میں لکھی گئی قرآنی تفسیر ہے۔ مولانا اصلاحی نے قرآن کے نظم و ربط کو دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ نظمِ قرآن کے اعتبار سے مولانا اصلاحیؒ کا ایک الگ مکتبِ فکر تھا۔ اس مکتبِ فکر کی بنیاد ان کے استاد حمید الدین فراہیؒ نے رکھی تھی اسطرح انہوں نے اپنی تفسیر میں فراہی اصولوں کو ہی ملحوظِ خاطر رکھا۔ مولانا اصلاحی کے ہاں تفسیر کا اصلی ماخذ قرآن کی زبان اور نظم و ربط ہے۔ مولانا کے ہاں تفسیر کے دو قطعی اصول جابجا دکھائی دیتے ہیں:

۱۔ نظم قرآن

۲۔ تفسیر القرآن بالقرآن

آپ مقدمے میں لکھتے ہیں کہ جو بات قرآن کے الفاظ، قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے

---

[۱۷]۔ محمد رضی الاسلام ندوی، برصغیر میں مطالعہ قرآن، مکتبہ قاسم العلوم، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۔ ۸۸

[۱۸]۔ ڈاکٹر سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی میں، مکتبہ قاسم العلوم، لاہور، س۔ن، ص۔ ۹۴

واضح ہو گئی ہے وہ میں نے لی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف میرے سامنے آئی ہے تو میں نے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کے اعتبار سے جانچا ہے۔[۱۹]

مولانا آیاتِ قرآنی کی تفسیر و توضیح میں حدیث نبویؐ کو ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ مولانا نے اپنی تفسیر میں بہت ہی کم احادیث کو روایت کیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کی تفسیر میں محض وہی احادیث قابلِ قبول ہیں جو تواتر عملی سے ثابت ہیں۔ یہ نمایاں حقیقت ہے کہ مولانا اصلاحی نے عربی زبان وادب کے مقابلے میں تدبر قرآن میں احادیث کی بہت ہی کم تعداد نقل کی ہیں جس پر بعض مفکرین نے نقد و نظر بھی کیا ہے جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالروف ظفرؒ لکھتے ہیں کہ مولانا اصلاحی کے یہاں عربیت اور ادب جاہلی کے مقابلے میں نہ صرف احادیث بلکہ سنت متواترہ بھی کمتر ہے اور ان کی قائم کردہ ترتیب میں سنت چوتھے نمبر پر ہے۔[۲۰] اس سلسلے میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں: میں احادیث کو تمام قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے میں نے صرف انہی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔[۲۱]

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مولانا اصلاحی احادیث سے استفادہ کرنے کا اقرار کرتے ہیں لیکن کسی بھی قرآنی تفسیر میں احادیث کی اتنی کم تعداد شاذ ہی دکھائی دیتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر علماء کرام اسے تدبر قرآن کی سب سے بڑی کمزوری گردانتے ہیں کیونکہ ہمیشہ سے قرآن کریم کی تفسیر کا خود قرآن کے بعد سب سے بڑا ذریعہ حدیثِ نبوی ﷺ سمجھا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے پوری تفسیر میں صرف بخاری، مسلم اور ترمذی کا نام محض چند مقامات پر درج کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف کی تحقیق کے مطابق پہلی سات جلدوں میں صرف ۴۰ احادیث نقل گئی ہیں[۲۲]۔ لیکن دیگر کلام عرب اور دوسرے مصادر کا بحر ذخار دکھائی دیتا ہے۔ جاہلی ادب اور اہل لغت کی طرف رجحان کافی زیادہ ہے۔ مولانا اصلاحی کی احادیث سے صرفِ نظر کرنا حیرت انگیز ہے کیونکہ مولانا منکرین حدیث کا رد کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے احادیث سے بڑھ کر عرب کے جاہلی ادب اور لغت سے استفادہ کیا ہے۔

---

[۱۹]۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد ۱/۱۴

[۲۰]۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، علوم الحدیث، فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ، نشریات اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۔ ۹۳۷

[۲۱]۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد ۱/۳۰

[۲۲]۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، علوم الحدیث: فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ، ص۔ ۹۴۴

نتیجۂ بحث

مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' ایک بہترین اور جامع تفسیر ہیجو قرآن مجید کو سمجھنے، سمجھانے کی عمدہ کاوش ہے۔ یہ تصنیف تفسیری محاسن و معائب کا بہترین نمونہ ہے۔ اس تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں روایتی تفسیری انداز سے ہٹ کر براہ راست غور و تدبر کا اسلوب دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے بعض مفسرین و محققین نے مولانا ااصلاحی کی فکر و دانش سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس تفسیر میں احادیث، مجتہدین اور دوسرے مفسرین کے اقوال سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نظریات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ قرآن کا نظم و ربط اس تفسیر کی ایک انوکھا اور اچھوتا اسلوب ہے جو دیگر مفسرین کے ہاں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ اس طرح قرآن کی تفسیر نویسی میں نیا رجحان پیدا ہوا۔ تفسیر القرآن بالقرآن اور نظمِ قرآن اس تفسیر کی دو ایسی نمایاں خوبیاں ہیں جو تفسیری سرمایے میں موجود دیگر تفاسیر سے اسے منفرد اور انوکھا بناتی ہیں۔

اخبار علمیہ

ٹیپو سلطان کو درسیاتی کتاب سے نکالنے کی افسوس ناک خبر

ٹیپو سلطان کی شخصیت ساحرانہ تھی۔ وہ میسور میں ایک طاقتور سلطنت قائم کر کے انگریزوں کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوئے تھے اور میسور کو چالیس ہزار مربع میٹر سے دوگنا اسّی ہزار مربع میٹر تک وسیع کر دیا تھا۔ دنیا میں سب سے پہلے راکٹ استعمال کرنے کا سہرا انہیں کے سر ہے اور یہ کارنامہ ناسا میں ریکارڈ بھی ہے۔ کرناٹک میں ریشم کی فصل انہوں نے ہی متعارف کروائی اور کئی ترقیاتی پروگرام شروع کیے۔ موجودہ کنباڈی ڈیم کا بلیو پرنٹ ٹیپو نے ہی تیار کیا تھا۔ ان کے دور حکومت میں تمام ذات پات اور زبانوں کے لوگ باہم شیر وشکر ہو کر زندگی بسر کرتے تھے۔ جب مرہٹوں نے سرنگیری شاردا پیٹھ کو تباہ کیا اور اسے لوٹ لیا تو ٹیپو نے سدا می جی سے معافی مانگی اور لوٹے گئے زیورات بنا کر اور مٹھ کو دوبارہ تعمیر کر کے دیا۔ ٹیپو کے رعایا کے لیے اچھے کاموں کے سبب ان کی یاد میں کولور کے سر موکا میکا مندر میں آج بھی سلام پوجا کی جاتی ہے لیکن اب ذمہ داروں سے اس کو بند کرنے کی اپیل کی جا رہی ہے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی طرف سے لڑی گئی چار اینگلو انڈین جنگیں عالمی شہرت یافتہ تھیں جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ ۱۵۶ مندروں کو باقاعدہ ان کے دور حکومت میں مالی مدد دی جاتی تھی۔ اس سے ہندو مذہب اور ہندوؤں کے ساتھ اس کے خوش گوار تعلقات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وطن کی حفاظت کے لیے انگریزوں سے جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور اس قدر رواداری رکھنے والی پر کشش شخصیت کو ٹیکسٹ بک سے نکالنے کی خبریں عام ہو رہی ہیں اور ٹیکسٹ بک میکنگ کمپنی کے چیئرمین کا یہ بیان سامنے آیا ہے کہ موجودہ کتابوں میں بغیر کسی ثبوت کے ٹیپو سلطان کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیر میسور کا خطاب اس کو کس نے دیا اس کی جانچ کی جائے گی اور اس سے اس خطاب کو ہٹایا جائے گا۔ رپورٹ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے متعلق بہت سی معلومات ہٹا دی گئی ہیں۔ انگریزوں سے اس ملک کو آزاد کرانے کی ابتدا ٹیپو نے کی تھی۔ ان تاریخی حقائق کو بھی مکمل طور پر ہٹا دیا جائے گا اور یہ تبدیلیاں اگلے سال عمل میں لائی جائیں گی۔ ٹیکسٹ بک کے حالیہ چیئرمین کی شخصیت پہلے سے متنازع رہی ہے اور حکومت کے اس فیصلہ کو بھی نظر استحسان سے نہیں دیکھا جا رہا ہے۔ (روزنامہ پندار، پٹنہ ۲-۴-۲۲ء ص ۶)

ممنوعہ کتابوں کی لائبریری

ایک امریکی جزیرہ پر واقع چھوٹی سی لائبریری میں صرف وہی کتابیں رکھی جاتی ہیں جنہیں ناپسندیدہ اور غیر ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا نام میٹی نیکس آئی لینڈ لائبریری ہے جو پورٹ ناکس، مین سے ۳۵ کلو میٹر دور سمندر میں میٹی نیکس Matinikus نامی جزیرہ پر واقع ہے۔ اس کی آبادی سو افراد سے بھی کم پر مشتمل ہے۔ یہ چھوٹی سی لائبریری ہر روز ۲۴ گھنٹہ کھلی رہتی ہے اور اس کا مقصد صرف وہی کتابیں جمع کرنا ہے جو امریکہ میں عارضی

طور پر یا ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دی جاچکی ہوں۔ رپورٹ میں ان کتابوں میں اینڈ ٹینگو میکس تھری، ٹو کل اے موکنگ برڈ، دی ہینڈ میڈز ٹیل اور دی گریپس اور ریتھ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں اس میں شامل ہیں۔ اس لائبریری کا آغاز چند مقامی رضا کاروں نے ذاتی کوششوں سے کیا ہے۔ اس کا مقصد امریکیوں کو صبر و تحمل کی تربیت دینا ہے تاکہ وہ امریکی حکومت کی جانب سے ممنوعہ قرار دیے گئے مواد (بالخصوص کتابوں) کا مطالعہ کرکے اس کے بارے میں پوری آزادی سے کوئی رائے قائم کرسکیں۔ فی الحال یہ لائبریری لکڑی سے بنی ہوئی ایک جھونپڑی جیسی عمارت میں قائم ہے۔ جسے ان رضا کاروں نے ذاتی خرچ پر تعمیر کروایا ہے۔ امریکی ویب سائٹ ہینگر ڈیلی نیوز کے مطابق اس لائبریری کے منتظمین مختلف افراد اور کتب خانوں سے ممنوعہ کتابیں خریدنے یا عطیہ لینے کے لیے بھی تیار ہیں۔ (اخبار مشرق، دہلی۔ ۲۳ مارچ ۲۲ء ص ۶)

انسانی خون میں پلاسٹک کے ننھے ذرات کی دریافت

سائنس دانوں نے پہلی بار انسانی خون میں پلاسٹک کے ننھے ذرات دریافت کیے ہیں۔ اس کی تحقیق کے لیے ۲۲، صحت مند افراد کے عطیہ کردہ خون کے نمونوں میں پلاسٹک کے ذرات پائے گئے۔ پچاس فیصد نمونوں میں اس پلاسٹک کے ذرات تھے جس کا استعمال پانی کی بوتلوں کی تیاری کے لیے کیا جاتا ہے جب کہ ایک تہائی میں پولی اسٹرینی ذرات دریافت ہوئے جو فوڈ پیکنگ اور دیگر مصنوعات کے لیے اور چوتھائی خون کے نمونوں میں پولی تھن قسم کو دریافت کیا گیا جس سے پلاسٹک بیگ تیار کیے جاتے ہیں۔ نیدرلینڈ کی وریجے یونیورسٹی کی تحقیق میں شامل ماہرین کا کہنا تھا کہ یہ پہلی بار ہے جب انسانی خون میں پولیمر ذرات کو دریافت کیا گیا۔ انھوں نے کہا ہمیں تحقیق کو مزید آگے بڑھانا ہوگا اور زیادہ نمونوں کی جانچ پڑتال کرنا ہوگی۔ یہ تشویش ناک ہے کہ یہ ذرات پورے جسم میں گردش کرتے ہیں اور اعضا میں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ صحت پر اس کے اثرات کا علم تو ابھی بہت زیادہ نہیں ہے تاہم فضائی آلودگی کے ذرات کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ جسم میں داخل ہو کر لاکھوں اموات کا سبب بنتے ہیں۔ اس تحقیق کے نتائج جرنل انوائرمنٹل میں شائع ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ اس سے قبل ۲۰۲۰ء میں آئرلینڈ کے ٹرینیٹی کالج کی تحقیق میں بتایا گیا تھا کہ نومولود، فیڈنگ بوتلوں کے ذریعہ پلاسٹک کے لاکھوں کروڑوں ذرات نگل لیتے ہیں۔ ایک اور حالیہ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ننھے ذرات خون کے سرخ خلیات کی اوپری جھلی سے پیوست ہو کر آکسیجن کی فراہمی کی صلاحیت کو محدود کر سکتے ہیں۔ (روزنامہ صحافت، دہلی، ۲۶-۳-۲۲ء ص ۲)

زمین کا دل کی طرح دھڑکنا

جیو سائنس فرنٹیئرز میں شائع تحقیق کے مطابق زمین دل کی طرح دھڑکتی ہے لیکن اس کی یہ دھڑکن

5.27 (۲ کروڑ ۵۷ لاکھ) سال بعد واقع ہوتی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں جیمس لولاک نامی سائنس داں نے ایک ''گائیا'' مفروضہ پیش کیا تھا جس کے مطابق زمین اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے کسی جاندار کی طرح برتاؤ کرتی ہے تاہم اس کو اس وقت قبول نہیں کیا گیا تھا۔ اب انہی خطوط پر تحقیق کرتے ہوئے کارنیگی انسٹی ٹیوٹ فار سائنس اور نیویارک یونیورسٹی کے ماہرین نے نئے انکشافات کئے ہیں۔ زمین کی ۲۶ کروڑ سالہ تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے دریافت کیا کہ تقریباً ۲ کروڑ ۵۷ لاکھ سال بعد کچھ غیر معمولی تباہ کن واقعات مثلاً بڑی تعداد میں زمین کے آتش فشانوں کے پھٹ جانے، چند سال کے عرصہ میں زمین کے مجموعی موسموں میں بہت زیادہ تبدیلی یا پھر براعظموں کی تیز رفتار ترتیب نو وغیرہ کے سبب زمین پر بیشتر جاندار صفحۂ ہستی سے اپنا وجود کھودیتے ہیں۔ اگرچہ ان واقعات کا دورانیہ ہزاروں لاکھوں سال پر مشتمل ہوتا ہے مگر ارضیاتی نقطۂ نظر سے یہ بہت کم مدت ہے جو کروڑوں سال کے پیمانہ پر ایک مختصر دھڑکن قرار دی جاسکتی ہے۔ پچھلے ۲۶ کروڑ سال کے ارضیاتی ریکارڈ میں کم از کم ۱۹ ایسے مقامات ملے ہیں جو مسلسل کئی ہزار سال سے چند لاکھ سال تک غیر معمولی تباہ کن واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان میں آج سے تقریباً ساڑھے چھ کروڑ سال پہلے ڈائنا سور کے اچانک خاتمہ کا واقعہ بھی شامل ہے جو ایک بڑے شہاب ثاقب کے زمین سے تصادم کے نتیجہ میں ہوا تھا۔ ماہرین نے یہ تو پتہ لگالیا کہ پونے تین کروڑ سال کے وقفہ سے زمین پر غیر معمولی واقعات رونما ہوتے ہیں جن کو انھوں نے زمین کی دھڑکن سے تعبیر کیا ہے لیکن اس کے پیچھے کے اسباب، کیفیت اور کار فرما نظام کے متعلق خاموش ہیں۔ بہر حال اس تحقیق نے زمین پر جاری نظاموں کے بارے میں نئے سوالات پیدا کردیے ہیں اور ''گائیا'' مفروضہ پر بحث ایک بار پھر تازہ ہوگئی ہے۔ البتہ اطمئنان کی بات یہ ہے کہ سائنس دانوں کے مطابق زمین کی اس قسم کی اگلی دھڑکن میں تقریباً دو کروڑ سال باقی ہیں۔ لہٰذا آگے آئندہ برسوں میں زمین پر کوئی تباہی اگر پھیلتی ہے تو اس کی مکمل ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوگی۔ جہاں تک زمین کے جانداروں کی طرح برتاؤ یا اس کے تخاطب کی بات ہے تو قرآن نے اس کا انکشاف آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے ہی کردیا تھا کہ اس دن زمین اپنے رب کے حکم سے اپنی آپ بیتی سنائے گی۔ سورہ زلزال میں اس کے یہ الفاظ وارد ہیں: ''یومئذ تحدث اخبارھا بأن ربک اوحیٰ لھا'' (تاثیر، پٹنہ ۳۱ مارچ ۲۲ء ص ۷)

قرآن پاک کے ۲۰ ہزار نسخوں کی فراہمی

ماہ رمضان میں مسجد حرام کے زائرین اور مصلیوں کے لیے ادارہ برائے دعوہ والارشاد کی جانب سے شاہ فہد کمپلیکس میں مطبوعہ بیس ہزار قرآن کے نئے نسخوں کے ساتھ شیلف اور الماریاں فراہم کی گئی ہیں۔ ڈائریکٹر جنرل غازی الذبیانی نے وضاحت کی کہ انتظامیہ نے نابینا افراد کے لیے بھی الگ سے بریل قرآنی نسخوں کے ساتھ شیلف اور الماریاں اور ترجمہ والے قرآن فراہم کیے ہیں۔ ترجمہ والے قرآن میں انگریزی، اردو اور

انڈونیشیائی زبانوں کے تراجم قرآن شامل ہیں۔ قرآن کے بڑے سائز کے نسخے بھی رکھوائے گئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ترجمہ کے ساتھ آسان تشریحات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ خدمات صدارت برائے امور حرمین شریفین کے سربراہ ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس اور انڈر سکریٹری شیخ بدر بن عبداللہ الفریح کی ہدایت پر انجام دی گئی ہیں۔ (روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی ۸-۴-۲۲ء ص ۶) ک۔ ص۔ اصلاحی

اردو میں پرتگیزی الفاظ

اردو زبان نے دنیا کی بہت سی زبانوں سے الفاظ مستعار لئے ہیں جیسے عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی۔ اسی طرح اردو نے پرتگیزی (پرتگالی) زبان کے بھی بہت سے الفاظ اپنے اندر سمو لئے ہیں اور آج لگتا بھی نہیں کہ وہ دخیل الفاظ ہیں۔ دوسری مغربی قوموں سے بہت پہلے واسکوڈاگاما کی سربراہی میں پرتگالی سنہ ۱۴۹۸ء میں ہندوستان میں کالی کٹ کے راستے وارد ہوئے۔ اس سے قبل وہ جنوبی امریکہ اور مغربی افریقہ کے بعض علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ آج پرتگالی زبان پرتگال اور برازیل میں سرکاری زبان ہے۔ پرتگالی زبان نے اردو، گجراتی اور کونکنی زبانوں کو متاثر کیا اور آج بھی اس کے اثرات ممبئی اور کونکن کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے اردو میں پرتگالی دخیل الفاظ پر ایک مضمون ۱۹۴۹ میں "اردو" نامی مجلے میں شائع کیا تھا۔ ۱۹۵۵ میں ڈاکٹر محمد عمیر نے "اردو میں دخیل یوروپی الفاظ" کے عنوان سے کتاب شائع کی جس میں ایسے پرتگیزی الفاظ کا تذکرہ کیا جو اردو میں رائج ہیں۔ ان میں چند یہ ہیں: الفانسو (آم کی ایک قسم جس کو ہاپُس اور آپُس بھی کہا جاتا ہے)، اناناس، سنگترہ، پپیتہ (پاپایا)، الماری، چابی، انگریز، آیا (بچوں کی اتالیقہ)، آلپِن، اِستری (iron)، بالٹی، پادری، گرجا، پگار (تنخواہ)، پرِچ (saucer)، پیپا (barrel)، نیلام، تولیہ اور فالتو وغیرہ۔ (Rauf Parekh, Portuguese loanwords in Urdu, *Dawn*, 31 May 2010 -- https://www.dawn.com/news/538940/portuguese-loanwords-in-urdu)

(ظفرالاسلام خان)

تلخیص و ترجمہ

شیخ زین الدین مخدوم ثانی

ایک عظیم اسکالر، تاریخ کا ایک گم شدہ نام

کلیم صفات اصلاحی

رفیق دارالمصنفین

ڈاکٹر علی اکبر کا یہ مضمون انگریزی ماہوار رسالہ ینگ مسلم ڈائجسٹ، بنگلور، مارچ ۲۰۲۲ء کے شمارے میں عرب نیوز کے شکریہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ شیخ زین الدین مخدوم نام کی دو شخصیتوں کو بعض واقعات میں یکسانیت کے سبب مؤرخین نے بالعموم ایک ہی سمجھ رکھا ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کا خاندان ایک مگر سنہٗ پیدائش اور وفات میں فرق ہے۔ مخدوم اول، مخدوم ثانی کے دادا ہیں۔ مخدوم اول نے کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں کی۔ مخدوم ثانی نے ایک طویل عرصہ درس وتدریس اور تحقیق و تصنیف میں گذارا۔ زیر نظر مضمون میں اس تاریخی تسامح کی نشاندہی اور دونوں کو الگ الگ ثابت کیا گیا ہے (مترجم)۔

تحفۃ المجاہدین[1] اور فتح المعین[2] کے مصنف شیخ زین الدین مخدوم ثانی ایک بڑے اسلامی اسکالر تھے جو اب تاریخ کا ایک گم شدہ حصہ ہیں۔ جنوبی ہند کی ریاست کیرالا میں مذہبی اور سماجی نشاۃ ثانیہ میں ان کا کردار ناقابل فراموش

---

[1] ۔اس کتاب کا پورا نام تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتغالین ہے۔اس میں مصنف نے جنوبی ہند میں پرتگالیوں کی آمد کا حال، ملیباری ریاست کی تاریخ، عرب تاجروں کی ہندوستان میں آمد، پہلی مسجد کی تعمیر کا حال، پرتگالیوں کے ظلم کی داستان، جبری عیسائیت کی تبلیغ، اکبر کے دور میں جنوبی ہند پر ٹوٹنے والی قیامت کی تفصیل اور ان کے ظلم و ستم کو روکنے کی اپنی کوششوں کا تذکرہ اور اپنے دور کے چشم دید واقعات کو عربی زبان میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ٹیپو سلطان نے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔اردو میں اس کا ترجمہ حکیم سید شمس اللہ قادری نے کیا ہے۔اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر محمد حسین نے مدراس یونیورسٹی سے شائع کیا ہے۔(محمود خاں محمود بنگلوری، صحیفۂ ٹیپو سلطان جلد اول، گوشۂ ادب لاہور ۱۹۴۷ء ص ۲۳)۔ تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) نام سے ایک کتاب ٹیپو سلطان کے زیر نگرانی زین العابدین شوستری نے بھی تصنیف کی تھی (محمود خاں محمود بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد، کوثر پریس، بنگلور ۱۹۳۴ء ص ۳۵۹) مترجم۔

[2] ۔اس کا پورا نام فتح المعین بشرح قرۃ العین بمہمات الدین ہے۔یہ مؤلف کی اپنی تصنیف قرۃ العین بمہمات الدین کی شرح ہے۔ سرورق پر اس کے مصنف کا پورا نام زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین علی بن احمد المعبری الملیباری (المتوفی ۹۸۷ھ) ہے۔ مترجم

ہے۔ بدقسمتی سے ان کی حیات اور تصنیفات کا مطالعہ جس طرح سے ہونا چاہیے تھا نہیں کیا جاسکا۔ کیرالہ اور مالا بار کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتابوں میں تحفۃ المجاہدین کو اولیت حاصل ہے، جب کہ ان کی دوسری تصنیف فتح المعین اسلامی شریعت یا فقہ شافعی میں مستند اور مصر کی جامعہ ازہر میں حوالے کا درجہ رکھتی ہے۔

مضمون نگار نے دعوی کیا ہے کہ زین الدین مخدوم کا خاندان معبر، یمن سے آیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض مؤرخین کو لفظ ''معبری'' کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اس کو مالا باری سمجھ لیا*۔ یہ خاندان جنوبی ہند کے علاقے کیلا کارا(Keelakkara)، مدورائے(Madurai)اور کیال پٹنم(Kayalpattanam)میں اسلام کی تبلیغ کے مقصد سے داخل ہوا۔ شیخ علی بن احمد المعبری اور ان کے بھائی شیخ ابراہیم نے کیال پٹنم، جو اب تمل ناڈو کا حصہ ہے، سے آکر پندرہویں صدی عیسوی میں کوچانگڑی(Kochangdi)، کوچی میں بودوباش اختیار کرلی۔

زین الدین مخدوم اول، جن کا پورا نام زین الدین بن علی بن احمد المعبری ہے، ۱۴۶۵ء میں کوچانگڑی میں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد زین الدین اپنے چچا ابراہیم کے زیر سرپرستی آگئے۔ وہ لوگ پونّانی(Ponnani) آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کالیکٹ کے ابو بکر فخر الدین کے زیر نگرانی حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ گئے اور مذہبی مطالعات کا سلسلہ وہاں جاری رکھا۔ وہاں سات سال رہے۔ پونّانی واپسی سے چند سال قبل جامعہ ازہر بھی گئے۔ زین الدین مخدوم اول کو شہرت اس وجہ سے ملی کہ انہوں نے ۱۵۱۹۔۱۵۲۰ء کے دوران جامع مسجد تعمیر کرائی تھی جو ۱۷۵۳۔۵۴ء تک باقی تھی۔ یہ مسجد لکڑی کے کام کا ماسٹر پیس یعنی نمونہ کی تھی۔ یہ ایک ہندو بڑھئی کے زیر نگرانی بنائی گئی تھی۔ بعد میں اس بڑھئی نے اسلام قبول کرلیا اور اساری تھنگال(Asari Thangal)کے نام سے مشہور ہوا۔ مسجد سے متصل ایک مدرسہ بھی مخدوم اول نے قائم کیا اور وہاں تعلیم بھی ہوتی تھی۔ پونّانی کے لوگوں نے ان کو مخدوم کا لقب دیا تھا(یعنی ایک باعزت اور باوقار شخص جو اپنی خدمات کے سبب اس لقب کا مستحق ہے)۔ ان کی وفات ۵۷ سال کی عمر میں ۱۵۲۲ء میں ہوئی۔ عربی نظموں کے اپنے انتخاب میں انہوں نے مالا بار کے مسلمانوں کو پرتگیزیوں کے خلاف جنگ پر ابھارا تھا۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا جانے والا یورپ کا پہلا سامراجی حملہ تھا۔

مصنف تحفۃ المجاہدین شیخ زین الدین مخدوم ثانی ۹۳۸ھ/۱۵۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ محمد الغزالی کے پہلے لڑکے تھے۔ محمد الغزالی مخدوم اول کے تیسرے لڑکے تھے۔ ان کی شہرت جنوبی مالا بار کے قاضی اور مفتی اعظم

---

* مقالہ نگار کا یہ دعوی محل نظر ہے۔ معبر یمن میں ذمار صوبے کے ضلع جہران کا صدر مقام ہے جو صنعاء کے جنوب میں واقع ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مالا بار کے قدیم عربی لکھنے بولنے والے مالا بار کو ''معبر'' کہتے تھے اور اس کی نسبت سے خود کو ''معبری'' لکھتے تھے (مدیر)۔

کی حیثیت سے تھی ۔مخدوم ثانی نے ماہے(Mahe)کے قریب چومبال(Chombal)، کنہی پلی(Kunhippalli) میں جامع مسجد تعمیر کی تھی۔ان کی والدہ متقی، پرہیز گار اور شریف خاتون تھیں۔ان کا تعلق چومبال کے والیاکاٹھ تاراکٹی (ValiyakathTaraketti) کے خانوادہ سے تھا۔ مخدوم کی تین اولاد ابو بکر، عبدالعزیزاور فاطمہ نام سے تھیں۔وہ چومبال میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں سے پونّانی آئے۔ مخدوم دوم نے بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے مکہ کا سفر کیا تھا۔مکہ میں دس سالہ قیام کے دوران انہوں نے اسلامی علوم وفنون، بالخصوص فن حدیث، میں مہارت حاصل کی۔ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں شافعی مکتب فقہ کے عظیم اسکالراور مشہور مصنف امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی سے شرف تلمذ حاصل ہوااور انہوں نے ابوالحسن الصدیق البکری کی علمی سرپرستی میں تصوف کادرس لیا۔

مکہ سے واپسی کے بعد مخدوم ثانی نے پونّانی میں مسند درس آراستہ کی اور تقریباً ۳۶ برس درس وتدریس کے مشغلے میں مصروف رہے۔ ممالک اسلامیہ کے اس زمانے کے ممتاز علما سے انہوں نے علمی روابط قائم کیے۔مکہ کے اس دور کے ممتاز استاد ابن حجر الہیثمی نے ان کی دعوت پر پونّانی کا سفر کیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پتھر کا مشہور لیمپ ہیثمی کاہی دیاہوا ہے جو اب تک پونّانی میں رکھا ہوا ہے۔ہزاروں طلبہ نے اس لیمپ کی روشنی میں تعلیم حاصل کی ۔پونّانی میں دوران قیام ہیثمی نے جو فتاویٰ دیے تھے وہ آج تک محفوظ ہیں۔اسی طرح شیخ محمد الرملی (۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں زندہ تھے)اور امام محمد الخطیب الشربینی (م:۱۵۷۰ء)،جو ممتاز اسکالر کی حیثیت سے مشہور ہیں، سے مخدوم ثانی کے براہ راست تعلقات تھے۔ان کے حلقۂ احباب میں سیاسی شخصیات جیسے مغل بادشاہ اکبر،سلطان بیجاپور ابراہیم عادل شاہ، محمد عادل شاہ اور کالیکٹ کے سموتھری (Samoothiri)کے نام شامل ہیں۔پرتگیزیوں کے خلاف ممالک اسلامیہ مصر اور ترکی وغیرہ کے مسلم حکمرانوں سے فوجی تعاون کے لیے سموتھری مخدوم ثانی کو ان کی عربی اور فارسی زبان میں مہارت کے سبب بہ طور ایلچی بھیجتا تھا۔ مخدوم ثانی کاانتقال ۱۵۸۳ء میں ہوا۔ کنہی پلی، چومبال میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔اسلامی موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ ان کا ابتدائی کام قرۃ العین کے نام سے تھا۔ فتح المعین اسی کی شرح اور اسی کا ایک نظرثانی شدہ ورژن ہے۔ مختلف اسلامی ملکوں میں اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ سری لنکا، سنگاپور، ملیشیا، انڈونیشیا، مصر اور دوسرے ملکوں میں فقہ کی مستند کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

تحفۃ المجاہدین یعنی مجاہدین کو خراج عقیدت مخدوم ثانی کا بہت اہم اور مشہور ادبی کارنامہ ہے ۔یہ ۱۵۶۰۔۱۵۸۳ء کے درمیان عربی میں لکھا گیا اور اس کی پہلی عربی طباعت لشبونہ، لزبن (Lisbon) پرتگال میں ہوئی۔ اس ایڈیشن کی ایک کاپی جامعہ ازہر میں موجود ہے۔ دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

(بشکریہ: ینگ مسلم ڈائجسٹ، بنگلور)

تبصرۂ کتب

حیات ابوالمحاسنؒ یا محاسن التذکرہ: از مولانا اختر امام عادل قاسمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گردپوش، صفحات ۸۰۰، قیمت درج نہیں۔ پتہ: فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹیڈ، دہلی اور دیگر مکتبے، سال اشاعت ۲۰۱۹ء، موبائل ۹۲۵۰۹۶۳۸۶۸۔ای میل: faridbookcorner@gmail.com

گذشتہ صدی کے نصف اول کے ہندوستان خصوصاً اسلامی ہندوستان کے دامن میں ایسی شخصیتوں کی دولت سمٹ آئی تھی جو عموماً صدیوں میں بھی حاصل نہیں ہوتی، ایسی ہی بے مثل شخصیت بہار کے مولانا سجادؒ کی تھی۔ بہار سے ان کے تعلق کو خاص کیا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ برصغیر بلکہ عالم اسلام کی ان ممتاز ہستیوں میں تھے جن کے جامع علم و عمل ہونے سے کسی درجہ بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ شناسوں کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کم یکجا ہوتے ہیں۔ لیکن جو کم ہیں ان میں بھی بغیر کسی توقف کے مولانا سجاد کا شمار کیا گیا۔ علم جب محض کتابی نہ ہو بلکہ اس میں آفاقیت کی شان آجائے تو پھر شخصیت کے بے پناہ ہونے کا ثبوت قدم قدم پر خود بخود ملتا جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانوں کے بارے میں جب یہ کہا جاتا ہے تو یہ غلو اور مبالغہ نہیں ہوتا کہ وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے۔ پیادہ تھے لیکن برق رفتار سوار تھے۔ وہ قال نہیں سراپا حال تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے شاید ہی کسی کی یہ خصوصیت بلکہ سب سے بڑی خصوصیت بیان کی ہو کہ مولانا سجاد وہ تھے جنہوں نے راہ اور منزل کے فرق کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ لیکن حیرت تو اس قوم پر ہے جس نے ایسے محسن کو جو واقعی ابوالمحاسن تھے کتنی بے نیازی بلکہ بے حسی سے فراموش کر دیا۔ زیر نظر کتاب خاصی ضخیم ہے۔ اب اتنی ضخامت والی کتابوں کے پڑھنے کی زحمت برداشت نہیں کی جاتی تو اتنی محنت، جستجو اور دیدہ ریزی سے کتاب لکھنے کی ہمت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ حیات ابوالمحاسن کا ہر صفحہ قاری کی نگاہوں سے ایسا رشتہ قائم کرلیتا ہے کہ زندگی کی موجودہ تیز رفتاری بھی کچھ دیر رکنے، ٹھہرنے اور پھر آگے بڑھنے کی دعا کرتی نظر آتی ہے۔

ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ پر محیط مسلمانان ہند کے رہنماؤں، عالموں، مصلحوں، کارکنوں میں جو امتیازی ادائیں نظر آتی ہیں ان کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک تو دولت یا حسن تقریر یا پھر زور قلم۔ مولانا سجادؒ کے متعلق لکھا گیا کہ وہ ان تینوں سے محروم تھے لیکن ان سب کا بدل ان کے پاس ایک اخلاص کا سرمایہ تھا جو ہر کمی کو پورا کرنے والا تھا۔ یہ کتاب اسی منفرد شخصیت کا مرقع ہے اور کمال کا مرقع، قریب اٹھارہ ابواب میں یہ سینکڑوں صفحے سمیٹے گئے ہیں۔ مولانا مرحوم کے تعلق سے قدیم وجدید رسالے، کتابیں اور مضامین سب فاضل مرتب کے سامنے تھے۔ انہوں نے بڑی ایمانداری اور مہارت سے سب سے استفادہ کیا۔ مولانا ولی رحمانی مرحوم نے مولف کی زود نویسی کے ساتھ ان کی خوب نویسی کو سند اعتبار سے نوازا۔ اس کا اندازہ ان مضامین کا انتخاب ہے جو مولانا کی علمی، دینی، فکری، سیاسی اور تنظیمی پہلوؤں سے ہے۔

قرآنی حقائق ودقائق کے متعلق ان کی دقت نگاہ کی ایک مثال دی گئی۔ سورہ فاتحہ کے مطالعہ میں ایک سوال آیا کہ مغضوب اور ضالین کی جماعت جس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ ان کو کفار بت پرست کے مقابلہ میں کیوں اتنی اہمیت دی گئی کہ سورہ فاتحہ میں یہ تبری بطور جزو شامل کی گئی؟ اس کا جواب مولانا نے یہ نکتہ نکالا کہ قرآن کی نظر میں یہود ونصاریٰ کی جماعتی فطرت یہ ہے کہ ان میں حق کے قبول وانفعال کی استعداد نہیں ہے جبکہ مشرکین کی جماعتی فطرت میں یہ استعداد ہے۔ دلیل میں یہ آیت ہے کہ لن ترضی عنک الیہود ولاالنصاریٰ۔ یہ ایک نظریہ ہے اور مشرکین کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ ود وا لو تد ھن فید ھنون۔ اسی طرح آیت فان زللتم من بعد ماجاءتکم البینات فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم کے متعلق امام زمخشری نے لکھا کہ کسی نے غلطی سے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم پڑھ دیا تو ایک بدوی سننے والے نے کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ زمخشری نے وجہ بتائی کہ زلت ولغزش کے بعد رحم ومغفرت کا ذکر ارباب دانش کے نزدیک بے محل ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی کئی دوسری آیتوں میں خطاکاری کے بعد رحم ومغفرت کا ذکر آیا ہے۔ مولانا سجادؒ نے فرمایا کہ بدوی کے انکار کی وجہ یہ نہیں تھی بلکہ وہ فاعلموا کا بلیغ تیور ہے جو اس جگہ رحم ومغفرت کے ذکر کے منافی ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو: ایک بار کہنے لگے کہ بیمار پرسی کے لیے حدیث میں عیادت کا لفظ ہے۔ لقاء مریض، زیارت مریض یا اس طرح کے الفاظ نہیں، نکتہ یہ ہے کہ اس تعبیر سے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے کہ مریض اس کا محتاج ہے کہ بار بار اس کی خبر گیری کی جائے۔ عیادت کا مادہ عود ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ بار بار خبر گیری کی جائے۔ مولانا کی نکتہ آفرینیوں کی ایسی اور بھی مثالیں اس کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتی ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا کی نگاہیں مستقبل کو کس طرح دیکھ رہی تھیں وہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ مولانا نے بتایا کہ انگریزوں کو اس ملک سے جانا ہے مگر ان کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد بڑا نازک وقت آئے گا۔ یہاں بڑی کشمکش ہو گی۔ بڑے پیمانہ پر خوں ریزی ہو گی۔ اس وقت مسلمان جہاں تھوڑی تعداد میں ہوں گے ان کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر یہ اس وقت ایک جگہ جمع ہو کر بڑی بڑی آبادیاں بنالیں گے تو یہ آئندہ قلعہ کا کام دیں گی۔ فاضل مولف نے صحیح لکھا کہ آج اس نظریہ کی معنویت تسلیم کرنے کے باوجود کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اصلاً یہ ایک شخص کی داستان نہیں ایک پوری قوم کی تاریخ ہے جس میں اس کے زوال کے اسباب ہیں تو نئی زندگی پانے کے لیے کار آمد تدبیریں اور تجویزیں بھی ہیں اور ایک ایسے شخص کی جستجو کا داعیہ بھی پیدا کرتی ہے جس کی قوت جاذبہ ایسی ہو جو مختلف الخیال علما اور مختلف الرائے سیاسی رہنماؤں اور قومی کارکنوں کو ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی ہو اور ایک شیرازہ میں باندھنے والی ہو۔ آج اس قوت جاذبہ کی ضرورت شاید سب سے زیادہ ہے۔ مختصر سے تعارف میں اس کتاب کی خوبیاں گنائی نہیں جاسکتیں، دل یہی چاہتا ہے کہ کم از کم طبقہ علماء و مفکرین میں یہ کتاب زیادہ سے زیادہ مطالعہ میں رکھی جائے۔ ایک جگہ نالندہ علاقہ کی اہمیت کے باب میں

لکھا گیا کہ ''سیرت طیبہ پر دو بے نظیر کتابیں اسی علاقہ میں لکھی گئیں، ان میں سیرت النبی بھی شامل ہے''۔ اگر یہ لکھا جاتا کہ اسی علاقہ کے دو ناموروں نے یہ بے نظیر کتابیں یعنی سیرت النبیؐ اور النبی الخاتمؐ لکھیں تو شاید زیادہ صحیح ہوتا۔ کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود کمپوزنگ کی غلطیاں گویا معدوم ہیں۔ باقی کتاب کی زبان اور اسلوب تو دونوں ہی میں حضرت ابوالمحاسن کے حسنات کی برکت نظر آتی ہے۔

متاع فکر: از جناب حبیب الرحمٰن چغانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۸۶، قیمت ۴۰۰ روپے، سنہ اشاعت ۲۰۲۰ء، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ اور مکتبہ جامعہ شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، موبائل: ۹۹۹۷۱۷۶۱۱۱۴۔ ایمیل: hrcamu@yahoo.in

ملک و بیرون ملک، کئی ممتاز ترین کتب خانوں سے تعلق اور ان کے انتظام و انصرام و اہتمام میں اعلیٰ و احسن کارگزاریوں کی وجہ سے اس کتاب کے محترم مولف کی ایک شناخت قائم ہوئی جو ان کی خوش فکری، خوش کلامی اور خوش اخلاقی سے اور بھی پرکشش بن گئی۔ وہ خود کو گرچہ کتاب دار اور اپنے پیشے کو کتاب داری سے ظاہر کرتے رہے لیکن کتاب سے قلم کا رشتہ بہر حال فطری ہے، اس لیے ان کے قلم کا وجود اعلان تو اسی وقت ہو گیا جب انہوں نے سابق صدر جمہوریہ ہند عبدالکلام کی خود نوشت دی ونگس آف فائر کا ترجمہ پرواز کے نام سے کیا جو اردو کے مقبول ترین ترجموں میں شمار ہوا، پھر ایک کتاب ''زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے'' آئی اور اب یہ ان کی دوسری کتاب ہے جو ان کے انیس مضامین پر مشتمل ہے۔ ان میں قدرتی طور پر کتب خانہ اور اس کے متعلقات پر زیادہ تحریریں ہیں۔ اسلامی مدارس، ہندوستانی جمہوریت، اسلام، اردو، یہ وہ عنوانات ہیں جو گزشتہ صدی کے اہل علم و فکر اور صاحبان فہم و نظر کی توجہات کا مرکز بنتے آئے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے سب سے بڑے مرکز نظر سرسید پر بھی ایک تحریر ہے۔ علی گڑھ سے ان کی جذباتی وابستگی کا اظہار بھی ایک اور مضمون میں ہے۔ ادبی مطالعات کی ایک جھلک غبار خاطر اور مکتوبات ذاکر حسین سے ظاہر ہے اور آخر میں رفیق زندگی کا ذکر ہے اور جہاں ہے وہاں یہی جذبہ ہے کہ یہیں پہ بہر خدا ذکر یار چلے۔ رفیق حیات کا ساتھ چھوٹنے کا درد ہو یا مادر علمی کی یادوں کی کسک ہو، چغانی صاحب کے بیان اور اسلوب دونوں میں ایک عجب سی معصومیت ہے جو ان کی تحریر کی عزت اور وقعت بڑھاتی جاتی ہے۔ علی گڑھ کی یادوں کا سلسلہ کسی بھی علیگ کے لیے فسانہ آزاد سے کم تر نہیں۔ یہاں بھی معاملہ وہی ہے۔ اشخاص و مقامات کا ذکر گلشن کے کاروبار چلنے کی ضمانت بن جاتا ہے۔ ایسے میں اچانک ایک جملہ آتا ہے اور خدا جانے کیا کیا کہہ جاتا ہے۔ ''کچھ پرانی یادگاریں رفتہ رفتہ مٹتی جارہی ہیں، وہ عمارتیں ہوں یا روایتیں''۔ یونیورسٹی میں تشدد کے واقعات، ہر مخلص علیگ کے لیے خاص طور پر باعث تشویش رہتے ہیں۔ فاضل مصنف نے بڑی معصوم صداقت سے

لکھا کہ ''حضورؐ کی تعلیمات پر اگر عمل کیا جائے تو معاشرہ ان سب برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے، امن و آشتی کی فضا قائم ہو سکتی ہے''۔ واعظانہ انداز کو اچانک سنجیدگی کا احساس ہوا تو پھر وہی علی گڑھ کی شوخی عود کر آئی کہ ''کس نے اس گلشن میں آگ لگادی، یہ گولی اور بارود کہاں سے آگیا، یہاں تو صرف آنکھوں سے تیر چلتے اور لوگ گھائل ہو جاتے تھے۔۔۔''مولانا آزاد لائبریری پر مضمون دراصل اس عظیم کتاب خانہ کی مکمل تاریخ ہے جس میں ۱۸۷۵ء سے ۲۰۲۰ء تک کے اہم مراحل کو اس احساس کے ساتھ پیش کیا گیا کہ یہ محض سنین اور اعداد و شمار پر مبنی لائبریری کی خشک تاریخ نہیں، یہ اس کی سرگزشت ہے۔ آگے جو لکھا گیا اس کے لیے اصل کتاب ہی سامنے ہونا چاہیے۔ یہی حال خدا بخش لائبریری والے مضمون کا ہے۔ مصنف وہاں کے ڈائریکٹر ہوئے اس لیے اس مضمون میں بھی وہی خوبیاں ہیں جن سے مولانا آزاد لائبریری والا مضمون بیت الغزل بن گیا۔ کتب خانوں کے لیے کمپیوٹر کا حصول اور اس سلسلے میں خاص طور پر مشرقی کتب خانوں کے مسائل، مخطوطات اور قلمی نوادر کا تحفظ جیسے مضامین اپنے موضوع پر بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خصوصاً کتب خانوں کی نگہداشت کرنے والوں کے لیے ان میں بڑے کام کی باتیں آگئی ہیں۔ کام کی باتیں تو سیکولرزم، دہشت گردی اور اردو جیسے مسائل کے باب میں بھی ہیں۔ ایک خاصی طویل اور مصروف زندگی غور و فکر کی راہوں کو جس قدر روشن و منور کرتی ہے۔ ایک صاحب علم کے لیے وہی اصل سرمایہ ہے۔ متاع فکر بھی اس کی ایک مثال ہے۔ افسوس ہے کہ چغتائی صاحب کا اسی سال فروری میں انتقال ہو گیا۔ کتابوں سے محبت اور کتب خانوں کو زندگی دینے والا اور اردو اور اسلامی تہذیب کا ایک پاکیزہ نمونہ نگاہوں سے مستور ہو گیا۔ نام و نمود سے دور رہنے والے کی موت کی خبر بھی عام نہ ہوئی۔

محرم اسرار—دیوان حافظ شیرازی: از جناب محمد حسن خاں اشرفی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۵۲۸، قیمت ۳۰۴ روپے، سنہ اشاعت ۲۰۱۹ء، پتہ: حسن قاسم خان-۶۵۸، گرودوار پیٹھ ۴۱۱-۴۲، مہاراشٹر۔ موبائل: ۷۲۰۰۲۷۷۸۰۸۷، ای میل:hasanashrafi486@gmail.com

حافظ شیرازی کے کلام کا ترجمہ اور وہ بھی منظوم۔ یہ ہمت ہی داد کے لائق ہے اور جب کوئی یہ کوہ گراں سر کر لے تو پھر داد کے ساتھ تبریک و تحسین بھی اپنے درجہ وجوب کے مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ لائق مترجم کا عقیدہ ہے کہ کلام حافظ، مکمل تصوف پر مبنی ہے اور اسی لیے رموز و اسرار کا گنجینہ ہے، اور کوائف اور روح کی بالیدگی کا حسین امتزاج ہے، اسی لیے عنوان رکھا گیا دیوان حافظ شیرازی المعروف بہ محرم اسرار، حافظ شیرازی سے عقیدت نے فاضل مولف کو یہ احساس بھی دلایا کہ دور ناقدری کا ہے۔ امت کے اکابر اور ان کے کارناموں سے غفلت عام ہے اور وہ قوم کیا ترقی کرے گی جو اپنے اکابر کی خدمات بلکہ احسانوں کو یاد رکھنے کی خواہش سے بھی بے نیاز ہو جائے۔ ایسے میں اس بے نیازی کے اثرات کو منفی ہونا ہی ہے اور پھر اس کا

انجام بد بھی دیکھنا ہے۔ فاضل مترجم کے سامنے ناقدری کا یہ منظر ہے اور دوسری جانب ان کے بزرگ اور حافظ شیرازی کے ہم عصر حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا یہ قول بھی ہے کہ حافظ یکے از مجذوبان بارگاہ الہی و محبوبان درگاہ نامتناہی است۔ اس ترجمے کے محرکات میں یہی خیالات ہیں ورنہ بقول انیس چشتی مرحوم ''اشرفی صاحب کا فارسی شعر و ادب میں نہ کوئی بڑا کام ہے اور نہ ہی کوئی بڑا نام''، چشتی مرحوم کا ذہن بڑا ہی چست تھا۔ اس لیے یہ بھی لکھ دیا کہ ''حافظ شیرازی کا بھی یہی حال تھا، باپ کوئلوں کی دوکان کرتے تھے اور خود شیرازی محنت کش تھے، نان بائی کی دوکان میں کام کرتے تھے''، لیکن توفیق و تائید ایزدی تو کچھ اور ہی ہے، حافظ شیرازی صدیوں سے جہانِ شاعری پر حکمرانی کرتے آئے ہیں ایک زمانہ اور ایک عالم ان سے متاثر ہوا۔ شعریات کا ذخیرہ بہت زیادہ نہیں لیکن ان کی شاعری کے سامنے رومی و سعدی بھی پھیکے رہ گئے۔ دیوان حافظ کے سیکڑوں ترجمے ہوئے اور الگ الگ زبانوں میں ہوئے۔ اور کمال ہے کہ غیر فارسی معاشروں میں بھی ان کے اشعار ضرب المثل بن گئے۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ مست بادۂ ازل تھے۔ ان کا نعرہ ہی یہی تھا کہ:

چشم عقل ببیں درجہان پرآشوب
جہان و کار جہان بے ثبات و بے محل است

اب ایسی شاعری کا ترجمہ کیسے آسان ہو سکتا ہے، لاکھ کہا جائے کہ ترجمہ ایک طرح کی ایمرجنسی سروس ہے یا لسانی کاہلوں کے لیے تفنن طبع اور وقت گزاری کا ذریعہ۔ مگر یہ تفنن ہر کسی کے مقدر میں نہیں اور ہر کسی کے بس کی بات نہیں، لیکن جب کسی کو یہ بار عظیم کے اٹھانے کی سعادت حاصل ہو تو یہ خود کامرانی کی خبر خوش ہے۔ ترجمہ کیسا ہو؟ نغمگی اور شعری اثر کس حد تک ہو؟ اس کے متعلق بعض فارسی شناسوں کے مضامین اعتراف کتاب میں موجود ہیں۔ ایک بزرگ نے کہہ دیا کہ ترجمہ میں ایک آمد تو ہے۔ ایک اور بزرگ حافظ محمد عارف اشرفی نظامی نے ترجمے کی ضرورت و افادیت پر نکتے کی باتیں کیں لیکن ان کی تحریر کی افادیت یوں بھی بڑھ گئی کہ انہوں نے مختلف زبانوں میں دیوان حافظ و کلام حافظ کے تہتر ترجموں کی نشاندہی کر دی۔ حافظ کا مشہور شعر ہے:

مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

ترجمہ اشرفی ہے:

کہے گر مرشد کامل مصلی مے سے تو رنگ
دے نہ ہو انکار عاشق کو یہی تو رسم منزل ہے

بقول بشر نواز اس میں ترجمے کے ساتھ ترجمانی بھی نظر آ رہی ہے۔ شعر شناسوں نے ایسے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جن کے ترجمہ میں اصل والی شعریت ہے۔ روانی ہے، چاشنی ہے۔ اور معانی سے روگردانی بھی

نہیں ہے۔ یہ شعر شاید اسی بات کا ثبوت ہے:

می کشم جور و جفا بایت ز ہجراں اے صنم روی بہ نما تا بہ بیند حافظ ماروت را
اے صنم میں سہ رہا ہوں ہجر میں تیرے ستم رونمائی کر کہ حافظ دیکھ لے چہرہ ترا

حافظ کا محرم اسرار ہونا ہے تو جناب اشرفی کی محنت کی قدر ضروری ہے۔ ورنہ حافظ کو خوب معلوم تھا کہ ان کے اشعار رقص و وجد آفریں ہیں اور سب کے لیے ہیں۔ سیہ چشمان کشمیری ہوں یا پھر ترکان سمرقندی کی قید نہیں۔

گیسوئے افکار: از ڈاکٹر امام اعظم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۷۲، قیمت ۳۰۰ روپے، سنہ اشاعت ۲۰۱۹ء۔ پتہ: تمثیل نو پبلی کیشنز، محلہ گنگوارہ، پوسٹ سارا موہن پور، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۷ اور پٹنہ، سمستی پور اور کولکاتا کے دوسرے مشہور مکتبے۔ موبائل: ۸۹۰۲۴۹۶۵۴۵، ای میل: imamazam96@gmail.com

گیسوئے اردو ابھی بھی منت پذیر شانہ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کے ادبی کارناموں سے تو یہی ظاہر ہے۔ ان کی کتابوں میں گیسوئے تنقید ہے پھر گیسوئے تحریر ہے۔ گیسوئے اسلوب بھی آئی اور اب پیش نظر گیسوئے افکار ہے۔ گیسوئے اردو کے پیچ و خم کو سنوارنا ویسے بھی آسان نہیں۔ خصوصاً معاملہ جب گیسوئے افکار کا ہو۔ ویسے بھی اردو کے ایک طرحدار ادیب نے اپنی کتاب کے مضامین کے بارے میں لکھا تھا کہ ان میں فکر اور خون کا رشتہ ہے۔ ان کے نزدیک فکر سے فکر فردا مراد تھی اور خون سے خونِ تمنا۔ اس کتاب میں یہ رشتے فردا سے زیادہ حال کی فکر کی زیادہ ترجمانی کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قریب چالیس مضامین ہیں۔ نظیر اکبرآبادی، فورٹ ولیم کالج اور عبدالحلیم شرر کی فردوس بریں سے ہوتے ہوئے گوپی چند نارنگ، اسلم پرویز، مظفر حنفی، مناظر عاشق ہرگانوی اور بیگ احساس اور اسلم جمشید پوری تک اردو کے نقشے پر موجود خدا جانے کتنے جزیروں کی سیر ہو جاتی ہے۔ سہرے کے پھول ہوں یا عبدالغفور شہباز کے خطوط ہوں یا پھر قاضی مجاہد الاسلام کی پیکر تراشی ہو۔ امام اعظم اپنے مسلک کے اعلان میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں۔ اس کامیابی کو انہوں نے ادب کے اعتراف کی روایات کے اثرات سے تعبیر کیا ہے۔ امام اعظم خود شناس ہیں اس لیے وہ خود تنقیدی مرحلوں کو خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''ان میں کئی اصناف کی رفاقت اور فیض رسانی ہے، ساتھ ہی ان میں وجود کی قفل کشائی بھی ہے تاکہ افق پر نئے موضوعات اور اہم شخصیات کے تخلیقی و تنقیدی کارنامے کے فنی لوازمات دیکھنے کو مل سکیں اور نیا جہان معنی پیدا ہو کر آگاہی سے ظہور پذیر ہو سکے''۔ امام اعظم کے ایسے جملوں کے اندرون میں اگر گوپی چند نارنگ کی نیرنگی افکار یا اسلوب نظر آئے تو حیرت نہیں کیونکہ امام

اعظم کے نزدیک وہ عہد نو کے تغیر نواز ہیں۔ یہ کہنا جتنا برحق ہے اتنا ہی دلچسپ بھی کہ اکیسویں صدی میں معاشرہ کے بطون میں داخل ہوکر اردو، جذبہ کی تسکین کا ذریعہ بنے گی اور پیوستگی کے چہرہ کو صحت مند کرے گی۔ یقیناً گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے۔

جذبہ بے اختیار: مرتب جناب محمد رفیع الدین، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۸۸، قیمت ۲۰۰ روپے، سنہ اشاعت ۲۰۱۹ء۔ پتہ: ساحل کمپیوٹرس، حیدری روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔ مہاراشٹر۔ موبائل: ۷۷۔۶۰۰۶۳۳۲۔

خطوط کے مجموعہ کو جذبہ بے اختیار کا نام دینا جدت کی لذت عطا کرنے کا واقعی بڑا پیارا انداز ہے۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل سے معارف کے قارئین بخوبی متعارف ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کا ذکر ان سطور کی قسمت میں آیا۔ نارنگیوں کے شہر میں ان کی نیرنگی طبع نے ادب، تنقید، تاریخ اور شعر کے خدا جانے کتنے نقوش ثبت کیے۔ ناگپور میں اردو ادب کو زندہ ہی نہیں تابندہ رکھنے میں ساحل صاحب کا نام ہمیشہ احترام سے لیا اور لکھا جائے گا۔ اردو کے رشتے سے ان کے تعلقات خواہ ذاتی ہو یا تحریری۔ برصغیر کی تمام بڑی شخصیتوں سے قائم ہوتے رہے۔ مکاتیب و خطوط ان تعلقات کے شاہد بنتے رہے۔ ان خطوط کا ایک مجموعہ قریب پچیس سال پہلے شائع ہوا تھا۔ اب زیر نظر مجموعہ میں تمام خطوط مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شامل کر لیے گئے ہیں۔ ساحل صاحب کے مکتوب بیاسی کے قریب ہیں اور یہ سب زمرہ مشاہیر میں شامل ہیں۔ مولانا دریابادی، شاہ معین الدین ندوی، سید مسعود حسن رضوی، مالک رام، مولانا وحید الدین خان، گیان چند، رشید حسن خان فاروقی، مشفق خواجہ، کون اس مجلس میں موجود نہیں۔ بعض حضرات کے نام خود ساحل صاحب کے خط بھی ہیں۔ جیسے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط میں کچھ سوالات مولانا آزاد کے بارے میں ہیں جن کے جواب میں مولانا دریابادی نے لکھا کہ ''الہلال کے بعض مضامین کے تعلق سے مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان صحیح ہے، وہ ان ہی کے لکھے ہوئے تھے۔ مولانا آزاد نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا نہ پبلک میں نہ پرائیوٹ میں، بلکہ روایتیں تو یہ ہیں کہ انہوں نے نج میں کھل کر اس کا اعتراف کیا۔ یہ تو بعض بیچ والوں اور ناشرین نے اتنی بات بڑھا دی''۔ مالک رام کے خطوط سب سے زیادہ یعنی اکتیس ہیں، پھر پروفیسر عبدالقوی دسنوی کے چوبیس خطوط ہیں۔ عامر عثمانی کے خطوط ان کی شخصیت کے بہترین عکاس ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا کہ ''آپ کے کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ آپ کا قلم ہر میدان میں ابھی تک حسب معمول رواں ہے۔ امید ہے آگے بھی رہے گا''۔ اس طرح یہ خط علمی وادبی اور ذاتی و شخصی ہر لحاظ سے قارئین کے علم میں اچھے اضافہ کا موجب بنتے ہیں۔ ساتھ ہی مکتوب نگاروں کے جذبہ بے اختیارانہ کا مشاہدہ بھی کراجاتے ہیں۔ خطوط نہایت سلیقے

سے مرتب کیے گئے اور اس کے لیے ساحل صاحب کے لائق صاحبزادے رفیع الدین ہر طرح شکریہ کے مستحق ہیں۔

اردو تنقید: مقصود منہاج: پروفیسر صاحب علی ۔ کاغذ و طباعت عمدہ، مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۲۵۶، ناشر: شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی، کالینا، سانتا کروز (ایسٹ) ممبئی ۹۸۔ ۴۰۰۰۴۳، قیمت: ۳۰۰روپے۔ سن طباعت: ۲۰۱۸۔ Email:sahebali05@gmail.com

تیزی سے بدلتے ہوئے تہذیبی و معاشرتی حالات نے تمام شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ ساتھ ادب پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ تنقید کی جو ترجیحات اور نقد کے جو پیمانے پہلے رائج تھے وہ اب از کار رفتہ ہو چکے ہیں۔اسی صورت حال کے پیش نظر صدر شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی پروفیسر صاحب علی نے ۲۷-۲۸ مارچ ۲۰۱۷ء کو اردو تنقید: مقصود و منہاج کے عنوان سے دو روزہ سیمینار منعقد کیا اور اس میں پیش کیے گئے مقالات کے مجموعہ کو اسی نام سے نہایت سلیقہ سے مرتب کر کے شائع کیا۔

اردو افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ اور اردو فکشن ایک مطالعہ نے اردو تحقیق و تنقید میں مرتب کے نام کو اعتبار بخشا ہے۔اس مجموعہ میں کل ۱۶ مقالے ہیں۔ مرتب کے بقول "کچھ ایسے مقالے بھی شامل کیے گئے ہیں جو سیمینار میں نہیں پڑھے گئے تھے لیکن یہ مقالے اردو تنقید کی مختلف جہتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔اس لیے ان مقالوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔" (ص۷) شروع کے چند مقالات تنقید کا فریضہ، محمد حسن عسکری، اصول تنقید، پروفیسر سید احتشام حسین، تنقید کیا ہے؟، پروفیسر آل احمد سرور، تنقید کی زبان، پروفیسر شمیم حنفی کا تعلق اسی زمرہ سے ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جدید تنقید پر مشتمل ان اوریجنل مقالات کی شمولیت سے مجموعہ کے اندر الگ طرح کی کشش پیدا ہو گئی ہے۔اس کے بعد پروفیسر عتیق اللہ نے روسی ہیئت پسندی کی شعریات، پروفیسر قاضی افضال حسین نے اردو تنقید کا مقصود و منہاج، پروفیسر انیس اشفاق نے تنقید تعبیر کی زبان، پروفیسر قاضی جمال حسین نے جمالیاتی تنقید کے بنیادی مسائل، ڈاکٹر خالد قادری نے رود تنقید اور عصری تنقیدی رویے، ڈاکٹر ناصر عباس نے رد تشکیل: جاپانی دوست کے نام ژاک دریدا کا خط، پروفیسر شہاب عنایت ملک نے اردو تنقید نگاری میں شمیم حنفی کی انفرادیت، پروفیسر احمد محفوظ نے قصیدے کی تنقید، ڈاکٹر ابو بکر عباد نے افسانہ اور تنقید کے باب میں چند ضروری باتیں، ڈاکٹر سرور الہدیٰ نے وارث علوی اور فکشن تنقید کا المیہ، ڈاکٹر الطاف انجم نے نومارکسیت کے بنیادی مقدمات اور ڈاکٹر قمر صدیقی نے اردو تنقید کی روایت اور شمس الرحمن فاروقی کے افکار و نظریات پر بحث کی ہے۔ مرتب نے مقالات کی منطقی ترتیب قائم کی ہے اور جدید اور مابعد جدید اردو تنقید کے ادوار اور بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ص ۱۵۶ پر معنیاتی یا ص ۱۸۵ پر رسومیاتی، قدرت و مکنت، ص ۱۵۳ پر مئوقف، ص ۱۷۶ پر سوش وچار، ص ۱۷۸ پر سلوک رواں یا ص ۱۱۷ پر مفاہم وغیرہ کے تلفظ کو صرف پروف کی غلطی کہا جاسکتا ہے؟ اسی طرح ص ۱۷۸ پر ''شمیم حنفی کی تنقیدی انفرادیت کا امتیاز، ص ۱۱۶ پر ''جامع کا جملہ'' یا ص ۱۵۳ پر ''دریدا یہ کہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں'' کی تعبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ بیشتر مضامین میں حوالے ناقص اور جدید انداز کے مطابق نہیں ہیں۔ ان معمولی فروگزاشتوں سے قطع نظر یہ مجموعہ اصحاب ذوق کے لیے لائق مطالعہ اور تنقید سے دلچسپی رکھنے والوں کو سیکھنے کے لیے اس میں بہت کچھ ہے۔ ک، ص اصلاحی

سلاطین دہلی اور اسلامی شریعت (The Sultans of Delhi and Islamic Shariat – a brief study) : پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی ۔ براؤن بکس، قلعہ روڈ، شمشاد مارکیٹ، علیگڑھ ۲۰۲۰۰۱، ۲۰۲۰، ایمیل: bbpublication@gmail.com، ۱۵۱ صفحات (مجلد)، آئی ایس بی این: ۳-۸۲-۸۸۹۲۸-۹۳-۹۷۸، قیمت: ۳۰۰ روپے۔

اگرچہ جنوبی ہند اور شمال ہند میں اسلام قرن اول ہجری میں آچکا تھا، بارہویں صدی عیسوی کے آتے آتے شمالی ہندوستان کا ایک بڑا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ یہ شروع کا عہد سلطنت دہلی کہلاتا ہے جو تقریباً تین سو سال تک قائم رہا۔ اس دوران ۱۹ سلاطین نے حکومت کی۔ یہ سلاطین مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان میں زیادہ تر ترکی تھے۔ سلاطین کے دور کے بعد مغلیہ سلطنت کا عہد آیا جو سنہ ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ سلطنت دہلی وہ زمانہ ہے جس کے دوران مسلمانوں کے توسط سے ہندوستان میں وہ تمام فنون وعلوم آئے جو عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ اس پورے عرصے میں فارسی زبان و تہذیب کا غلبہ رہا۔ سلاطین دہلی کے زمانے میں شریعت اسلامیہ کو اولین قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ امور سلطنت کے علاوہ اس زمانے کے عام مسلمانوں کی زندگیوں پر بھی اسلام حاوی تھا۔ اس زمانے میں ذاتی طور سے سارے سلاطین اپنی زندگیوں میں اسلام پر عامل تھے لیکن امور سلطنت میں اسلام کا نفاذ ایک طرح کا نہیں تھا۔ اس کا کچھ اندازہ اس زمانے کے تذکروں اور تواریخ سے ہوتا ہے جن میں سلاطین کا اسلام پر عمل اور عمل سے دوری دونوں طرح کے واقعات موجود ہیں۔

موجودہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں خاص طور سے سلاطین کے اوامر اور فرامین کا جائزہ لیا گیا ہے لیکن ہر سلطان کا الگ الگ جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں سلاطین دہلی کی فہرست اور کتابیات بھی دی گئی ہیں۔ (ظفر الاسلام خان)

باب الاستفسار والجواب

ذوق کتب بینی وشوق کتب داری کے نتیجہ میں حال کی خریدی ہوئی کتاب "سیرت عائشہ" پڑھی اور ڈوب کر پڑھی۔اس پر اس کے مصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے لیے دل سے بے ساختہ "سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ" جیسے دعائیہ کلمات نکلے۔اہل اسلام ہند کے لیے خصوصا اور عالم اسلام کے لیے عموما اسلامی خطوط پر مبنی رہنمائی فراہم کرنے کی غرض سے دارالمصنفین کے ذریعہ جاری کردہ سلسلۂ سیرت وتاریخ اسلام پر اس کے ارباب بست وکشاد کے لیے دل، تشکر وامتنان کے جذبہ سے لبریز ہو گیا۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ سیرت عائشہ کثیر الجہات مندرجات رکھتی ہے۔یہ جہاں ازدواجی زندگی کے کیف وکم، پیچ وخم اور زیر وبم کا احاطہ کرتی ہے تو وہیں آپسی رواداری اور باہمی جذبۂ خیر سگالی کو بھی زیر بحث لاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ کتاب حسن معاشرت اور حکام شریعت کا ایک حسین امتزاج اور خوبصورت مرقع ہے جو اسلامی تاریخ کی بعض الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے ساتھ ساتھ مصادر شریعت، خاص طور پر قرآن مجید اور حدیث پاک، کا بھی احاطہ کرتی ہے۔اس ضمن میں کچھ آیات قرآنیہ کے تراجم وتفاسیر اور احادیث نبویہ کے روایات ودرایات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے جو تحقیق طلب ہیں۔

ایک سؤال ایسے ہی ایک مبحث معنون ""مغز سخن تک پہنچنا" کے متعلق ہے جس کے باعث رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یہ خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔پہلے اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ۷۔حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی من لم یؤتر فلاصلاۃ لہ جس نے وتر نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا ہم سب نے ابوالقاسم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا اور اب تک ہم بھولے نہیں کہ جو پانچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی، اس نے خدا سے عہد لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔خدا چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب کرے۔ مقصود یہ ہے وتر سنت ہے۔اس کے اتفاقی ترک پر یہ عذاب کہ اس کی کوئی نماز مقبول نہ ہو،اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی بخشش یقینی نہیں رہی حالانکہ یہ عذاب صرف فرائض کے ترک پر ہوگا نہ کہ سنن کے ترک پر۔[1] (ص۲۰۸)اشاعت ۲۰۱۵ء

استفسارات:

میرے ذریعے خط کشیدہ سطر "وتر سنت ہے"جو میرے لیے ذہنی خلجان اور فکری ہیجان کا سبب ہے: ۱۔وتر سنت ہے یا واجب؟ ۲۔الوتر حق فمن لم یؤتر فلیس منا کا کیا مفہوم و مدلول ہے؟ ۳۔دیگر کتابوں میں وتر

---

[1] - طبرانی فی الاوسط (المعجم الاوسط للحافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ،دارالحرمین القاہرہ ۱۹۹۵ء ۴ ، ۲۱۵ ،حدیث نمبر ۴۰۱۲۔

واجب ہے لکھا ملتا ہے۔اس کا کیا استناد ہے؟ امید کہ زیر تذکرہ مسئلے کو اس کے مالہ وماعلیہ کے ساتھ پیش کر کے ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

راجو خاں، بیگو سرائے
9122780198

معارف : سید صاحب کا جو اقتباس نقل کیا گیا ہے اس میں حضرت ابوہریرہؓ سے منسوب روایت من لم یؤتر فلا صلاۃ لہ مرفوع حدیث ہے اور اس کی صحت پر متعدد علما و محدثین مثلاً خود طبرانی، علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ نے کلام کیا ہے۔ہیثمی نے مجمع الزوائد ومنبع الفوئد[2] اور شیخ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ[3] میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔اس لیے اس کے ظاہر الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مان لینا کہ جس نے وتر ترک کر دی اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوئی غلط ہو گا۔دوسرے طبرانی کے علاوہ یہ روایت صحاح ستہ میں سے کسی صحیح میں بھی تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔سید صاحب نے اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے اس میں صرف فرض نمازوں کا تذکرہ ہے وتر کا نہیں ہے۔اگر نمازوں کے ہونے نہ ہونے یا ان کی قبولیت وعدم قبولیت کا انحصار وتر پر ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ وتر کا بھی ذکر ضرور کرتے۔گویا حدیث عائشہؓ نے اس روایت کی خود ہی تردید کر دی۔حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں اس میں یہ بات بھی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ کس نے یہ بات ابوالقاسم ﷺ سے سنی؟۔اس سے خود واضح ہے کہ یہ آپ ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں۔سید صاحب نے نتیجہ کے طور پر اس کا جو مقصود بتایا ہے کہ وتر سنت ہے اور اس کے ترک پر عذاب نہیں ہے، بالکل صحیح ہے،اس لیے کہ عذاب ترک فرض پر ہے سنت پر نہیں ہے۔

ائمۂ اربعہ میں امام مالکؒ،امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وتر سنت ہے، جس کی تاکید اور فضیلت اگرچہ فرض کی نہیں ہے لیکن سنت نمازوں میں سب سے زیادہ ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں:''وتر فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے لیکن یہ وہ سنت ہے جس کو نبی ﷺ نے جاری فرمایا''(احمد،نسائی،ترمذی)۔

حضرت طلحہ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ اہل نجد میں سے ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا:''کیا دن اور رات میں فرض نمازوں کے علاوہ مجھ پر کوئی اور نماز بھی ہے؟''فرمایا:''نہیں،الا یہ کہ تم اپنی مرضی سے سنتیں اور نفل پڑھو''۔اس روایت میں بھی وتر کا تذکرہ نہیں ہے۔ان اور بعض

---

[2] ۔دیکھیے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،ابوالحسن نورالدین علی الہیثمی،مکتبۃ القدسی،القاہرہ ۱۹۹۴ء جلد ا ص ۲۹۳-۲۹۴

[3] ۔دیکھیے محمد ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، دار المعارف،الریاض ۱۹۹۲ء جلد ۱۱ ص ۳۷۱

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ نبی ﷺ نے وتر کی سخت تاکید کی ہے لیکن اس کا حکم سنت کا ہے۔(نیل الاوطار وغیرہ)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب سنت اور فرض کے درمیان ہے۔ان کا استدلال جن احادیث سے ہے ان میں سے ایک طرح کی احادیث وہ ہیں جن میں وتر کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے مثلاً حضرت خارجہ بن حذافہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی نماز ہے؟'' فرمایا: ''وتر،اس کا وقت عشا کی نماز سے طلوع فجر تک ہے'' (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،احمد)۔اس سلسلے میں حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے قرآن والو! وتر پڑھو۔اس لیے کہ اللہ وتر (طاق) ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے'' (ابوداؤد،ابن ماجہ)۔دوسروں کے نزدیک ان احادیث سے وتر کی تاکید اور فضیلت تو ظاہر ہوتی ہے لیکن اس کا وجوب ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

دوسری طرح کی وہ احادیث ہیں جن میں واقعی وتر کی سخت تاکید ہے اور تارک وتر کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں۔مثلاً حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وتر حق ہے جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں'' (حاکم،ابوداؤد)۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''وتر ہر مسلمان پر واجب ہے'' (بزاز)۔یہ قول صحابی ہے لیکن صاحب نیل الاوطار کے مطابق وتر کو سنت قرار دینے والوں کے نزدیک یہ تمام حدیثیں سند کے لحاظ سے کمزور ہیں۔اس لیے وہ انہیں معتبر نہیں مانتے (ج ۳ ص ۲۶)۔مسلک حنفی میں خود امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی وتر سنت ہے (ہدایہ)۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک فرض اور واجب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔واجب کا درجہ سنت مؤکدہ یا راتبہ سے زیادہ اور فرض سے کم ہے۔دوسروں کے یہاں فرض اور واجب ہم معنیٰ لفظ ہیں یعنی ان کے نزدیک سنت اور فرض کے درمیان اس طرح کی کوئی چیز نہیں جس طرح کی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔البتہ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر چھوٹ جانے کے بعد یاد آنے پر آپ ﷺ نے اس کو ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔مثلاً حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے وتر رہ گئے ہوں یا وہ انہیں بھول گیا ہو تو جب وہ اسے یاد آئیں انہیں پڑھ لے'' (ابوداؤد)۔اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس نے رات کو وتر نہ پڑھا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ انہیں پڑھ لے''[1] (حاکم)۔ان احادیث سے سنت نمازوں میں وتر کی فضیلت واہمیت واضح

---

[1]۔یہ تفصیلات فقہ السنہ، محمد عاصم، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، بار اول ۱۹۸۳ء ص ۱۶۴ تا ۱۷۴ سے فراہم کی گئی ہیں۔

ہوتی ہے۔

جہاں تک الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا کے مفہوم ومدلول کی بات ہے توامام بخاری اور امام نسائی کے نزدیک اس کے راویوں میں العتکی ضعیف ہیں اور ان کے یہاں منکرات ہیں۔ غالبا اسی لیے امام بخاری نے اس روایت کو اپنی صحیح میں شامل بھی نہیں کیا ہے۔ ابن الجوزی نے علل المتناہیہ میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس حدیث کو حدیث لایصح میں شمار کیا ہے اور شیخ البانی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ حدیث کے ٹکڑے میں فلیس منا کے الفاظ سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا جو صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ الفاظ آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمائے ہیں مثال کے طور پر فمن رغب عن سنتی فلیس منی (جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں) یا لیس منا من تشبہ بغیرنا (وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے علاوہ دوسروں کی مشابہت اختیار کی) یا من سل علینا السیف فلیس منا یا من حمل علینا السلاح لیس منا (جس نے ہم پر یعنی مسلمانوں پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں) یا من رمانا باللیل فلیس منا (جس نے رات میں ہم پر تیر پھینکا وہ ہم میں سے نہیں ہے) یا لیس منا من لم یتغن بالقرآن (وہ ہم میں سے نہیں جس نے قرآن کی خوبصورت آواز میں قرأت نہیں کی) یا من غشنا فلیس منا (جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں)۔ یعنی ایسا کرنے والا ہمارے صحیح طریقے پر نہیں ہے، اس کے کامل ایمان میں کمی ہے۔ آپ کے ان اقوال کا مطلب ایسے مرتکب گناہ کو کافر یا دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے من غشنا لیس منا کے متعلق لکھا ہے کہ لیس المراد بانہ کافر[۲] (اس حدیث کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہے)۔ اس قسم کی احادیث کا غالب معنی ومفہوم ترغیب وترہیب یا وعید وتحذیر ہے۔ اس سے آپ کا مقصد کسی کام کو کرنے کی شدید تاکید وترغیب کرنا کہ لوگ اس کی اہمیت وافضیلت کو سمجھیں یا کسی منکر کی شناعت ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ لوگ اس سے حتی الامکان بچیں۔ اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا نہیں تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ترک وتر پر عذاب نہیں ہوگا تو اس سے غفلت برتی جائے۔ آپ ﷺ نے اس کی ادائیگی کی سخت تاکید کی ہے اس لئے اس سے کوتاہی بڑے اجر وثواب سے محرومی کا باعث ہوگی جو ایک متبع سنت کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ **ک۔ ص۔ اصلاحی**

---

[۲]- مجمع الفتاوی، علامہ ابن تیمیہؒ الحرانی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورۃ ۱۹۹۵ء جلد ۱۲ ص ۴۷۸

ادبیات

غزل

وارث ریاضی

کاشانۂ ادب سکٹا دیوراج۔ پوسٹ بسوریا وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار۔8228902548

غم کی حالت میں بھی ہردم شاد رہنا چاہیے
آرزوؤں کا چمن آباد رہنا چاہیے

چشم غم آنگیں سے اشک آرزو بہتا رہے
دل کو بھی شائستۂ فریاد رہنا چاہیے

دل کی ویرانی سے بڑھتا ہے جنوں کا حوصلہ
اے دل ویراں! تجھے برباد رہنا چاہیے

اب ستم رانی کا وہ طرز کہن دلکش کہاں ؟
نو بہ نو طور ستم ایجاد رہنا چاہیے

رات دن آہ وفغاں کرنے سے کچھ حاصل نہیں
صبر سے تجھکو دل ناشاد رہنا چاہیے

جو بھی کرنا چاہتا ہے خدمت قوم و وطن
رنج و راحت سے اسے آزاد رہنا چاہیے

ہاں بتا اور سچ بتا ؛ اے قائد شیریں بیاں !
تابہ کے یہ جور واستبداد رہنا چاہیے

کیا خبر ؟ کس وقت آجائے پیام آخریں ؟
ساتھ ہر دم نیکیوں کا زاد رہنا چاہیے

رنج کی دل دوز گھڑیاں ہوں کہ لمحات خوشی
دل خدا کی یاد سے آباد رہنا چاہیے

بجھ گئی ہے شمع شروانی[1] تو زندہ ہیں رئیس[2]
اس لیے وارث ،علی گڑھ یاد رہنا چاہیے

---

[1]۔ پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی

[2]۔ ڈاکٹر رئیس نعمانی

معارف کی ڈاک

(۱)

معارف مارچ ۲۲ءکا شمارہ از اول تا آخر خواجہ نظیری (وفات ۱۶۱۴ء) کے درج ذیل شعر کا مصداق ہے:

ز پائے تا بہ سرم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا ست

''دارالمصنفین کے لیل و نہار'' سے اس ادارے کی علمی، ادبی اور انتظامی سرگرمیوں سے واقفیت ہوئی۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیے۔ ''ادبیات'' میں راقم الحروف کی غزل کے پہلے مصرع

پتا نہیں ہے مرے رہنما کو منزل کا

میں ''ہے'' کمپوز ہونے سے رہ گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ مصرعہ غیر موزوں ہو گیا ہے۔

جمیل مانوی صاحب کی خوب صورت غزل کے حسین مطلع:

دل کے نصیب میں اگر قربت سرمدی نہ دے
میری سماعتوں کو بھی نغمۂ سرمدی نہ دے

میں لفظ قافیہ ''سرمدی'' کی تکرار سے ایطائے جلی کا سقم پیدا ہو گیا ہے۔ قافیے کا بعینہ لفظاً و معناً مکرر لانا ایطاء ہے۔ جن قافیوں میں تکرار صریح ہو وہ ایطائے جلی ہے اور جن قافیوں میں تکرار صریح نہ ہو وہ ایطائے خفی ہے۔ مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۸ء۔ ۱۹۵۱ء) نے لکھا ہے کہ ایطائے جلی[1] بلا اختلاف معیوب اور ناجائز ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے ایطائے خفی سے بچنا بہتر قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا شعر میں ''سرمدی'' لفظاً و معناً مکرر ہے۔ اس لیے ایطائے جلی کا عیب در آیا ہے۔

ایک اہم بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے ناشرین کتب، بلا اجازت، علی الاعلان، دارالمصنفین کی کتابیں شائع کر کے مالی منفعت حاصل کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں دارالمصنفین کو شدید مالی نقصان ہو رہا ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم (۱۹۱۷۔۱۹۷۵) نے اپنی نظم[2] ''کتابوں کے راہ زن'' میں واضح طور پر لکھا ہے:

شورش مرے وطن میں کتابوں کے راہ زن ؟
حالات کا شکار ہے دارالمصنفین

---

[1] ۔ نکات سخن از حسرت موہانی، تدوین و تنقید ذکیہ رخشندہ۔ مطبوعہ بھارت آفسیٹ، دہلی ماران نئی دہلی

[2] ۔ انتخاب کلیات شورش کاشمیری، مرتب فاروق ارگلی، فرید بک ڈپو نئی دہلی، ص ۳۴۲

اس آخری شعر کے نیچے شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا ہے: ”دارالمصنفین اعظم گڑھ جس کی کتابیں چوری اور سینہ زوری سے بعض ناشرین نے چھاپ لی ہیں“۔[۳] افسوس کا مقام ہے کہ ان ناشرین کے خلاف اب تک دارالمصنفین کی طرف سے کوئی مؤثر کارروائی نہیں ہوئی۔ راقم الحروف علی گڑھ میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی سے اس سلسلہ میں کئی بار عرض کر چکا ہے۔ ہر بار ظلی صاحب نے یہی فرمایا:

> جو ناشرین دارالمصنفین کی کتابیں بلا اجازت شائع کر رہے ہیں، ان پر قانونی کارروائی کرنے سے ہم اس لیے گریز کر رہے ہیں کہ عدالت کے فیصلے میں تاخیر در تاخیر ہو گی۔ ایسی صورت میں کون عدالتوں کا چکر لگائے گا؟

چوں کہ آپ علمی بصیرت کے ساتھ سیاسی اثر ورسوخ بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ سے امید کی جانی چاہیے کہ جو ناشرین دارالمصنفین کی کتابوں میں بہ طور خاص سیرۃ النبی، موازنۂ انیس و دبیر، رحمت عالم، تاریخ اسلام اور ہماری بادشاہی وغیرہ کو دھڑلے سے شائع کر رہے ہیں اس کے انسداد کے لیے آپ کوئی مؤثر کارروائی کریں گے۔ کم سے کم ان ناشرین پر اخلاقی دباؤ تو ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ دارالمصنفین کی کتابیں شائع کر کے دارالمصنفین کو مالی نقصانات نہ پہنچائیں۔

وارث ریاضی، چمپارن، بہار
8228902548

(۲)

علامہ شبلی کی ایک نادر تحریر سے متاثر ہو کر

معارف جون ۲۰۲۱ء کے کالم ”آثار علمیہ وتاریخیہ“ میں دارالمصنفین کے رفیق اعزازی ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی پیش کردہ تحریر کے ضمن میں یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں۔ سب سے پہلے اس نادر تحریر کے نمبر (۱) کا متعلقہ حصہ معنون ”تصحیح کتب مروجہ انگریزی متعلق باسلام“ پیش خدمت ہے:

> انگریزی زبان میں آنحضرت ﷺ اور علم اسلامی میں واقعات کے متعلق جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں جا بجا نہایت سخت غلطیاں ہوتی ہیں جو دلآزاری کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس لیے ایک مختصر کمیٹی قائم ہونی چاہیے جو ان غلطیوں کا انتخاب کرے اور ان کی غلطی کو مستند تاریخی کتابوں سے ثابت کرے۔ یہ تحریر انگریزی ترجمہ ہو کر عام طور پر اور بالخصوص مدارس انگریزی میں شائع کرائی جائیں۔“ (ص ۴۷۱)

جب میں یہ اقتباس پڑھ رہا تھا تو مجھے اردو، انگریزی کے ادیب شہیر ملک راج آنند کی کتاب ”دی اسٹوری آف انڈیا“

---

[۳] ایضاً ص ۳۱۲

(The Story of India) کی یاد آگئی جو ایک عرصے تک میرے صوبے کے انٹر میڈیٹ کے تینوں صیغے آرٹس، کامرس اور سائنس میں داخل درس تھی۔ اس میں حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کا جو تعارف کرایا گیا ہے وہ غلطی اور غلط مبحث پر مبنی ہے۔ اس پر آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ دل رنج و غم سے چور اور درد والم سے معمور ہو گیا۔

واضح رہے کہ ٹیوشن ہی اس کتاب سے میری شناسائی کا وسیلہ بنا اور اس تک میری رسائی کا ذریعہ ہوا۔ جاری تعلیمی سلسلے کے پیش نظر اقتصادی ابتری اور معاشی خستگی نے earning while learning کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ اس پر عمل پیرا ہونے کے سبب مذکورہ درجے میں علاقے کے زیر تعلیم مسلم و غیر مسلم طلبہ وطالبات میرے پاس ٹیوشن پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ جب متذکرہ مشمولہ کی تدریس کی باری آئی تو میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کے اس مرحلہ میں ذہنی جراحت اور دماغی کوفت سے دوچار ہو گیا۔ مسلم سے زیادہ غیر مسلم طلبہ وطالبات کی تعداد تھی۔ میں نے انہیں صحیح امر اور حقیقت حال سے واقف کرادیا لیکن تحریر کے آگے تقریر کی بے التفاقی اور "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کا بھی سامنا کر رہا تھا کہ یکایک میرے ذہن پر یہ شعر دستک دینے لگا:

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

بہر کیف اس کو سوہان روح، جان لیوا بلکہ غارت گر کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو اس 'اسٹوری آف انڈیا' کا حال ہے جس نے ایک عرصۂ دراز تک میرے صوبے کے دانشکدوں و درس گاہوں میں داخل نصاب ہو کر کتنے ہی نوخیز اذہان کو پراگندہ کیا ہے۔ کتنے ہی ایسی "اسٹوریز آف انڈیا" ہوں گی جو اسی طرح اسلام، قرآن اور محمد کے تعارف و ترجمانی میں مصروف ہیں جن سے ہم بے خبر اور ناآشنا ہیں۔ ہماری ناآشنائی اور نارسائی کے نتیجہ میں یہ آہ بے اثر اور نالۂ نارسا کی دردناک تصویر اور دل خراش منظر ہیں۔

اپنی اس تحریر کو سید الطائفہ کے مقدمہ سے مأخوذ اس اقتباس کی پیش کش کے ساتھ ختم کرتا ہوں:

حضرات! میں اس وقت آپ کے سامنے اردو میں تقریر کر رہا ہوں۔ گو اردو زبان نے ہندوستان میں اس درجہ ترقی کر لی ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لیے یہ مناسب تھا کہ یہ لکچر انگریزی میں ہوتے تا کہ ان کے فائدہ کا دائرہ وسیع ہوتا اور وہ بھی اس میں شریک ہو سکتے اور دلچسپی لے سکتے جو اردو بالکل نہیں سمجھتے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ علما پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہو گیا ہے۔ خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علما خدا کے پیغام کو خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں۔ (بحوالہ: خطبات مدراس ص۹، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ یوپی۔ طبع جدید ۲۰۱۹ء)

راجو خان، بیگو سرائے
9122780198

(۳)

معارف میں ایک طویل عرصے سے ''اخبار علمیہ'' کالم چھپتا ہے۔ چونکہ میں بھی معارف کا کئی سالوں سے باقاعدہ قاری ہوں، دیکھتا رہتا ہوں کہ اس کالم کے معیار اور مزاج میں کیا کیا تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ اس کالم کو ختم کردینا چاہیے۔ کیونکہ اس کی نہ چنداں ضرورت ہے نہ افادیت۔ معارف ایک علمی و تحقیقی پرچہ ہے۔ ایسی سائنسی خبریں قارئین دوسرے ذرائع سے بھی حاصل کر سکتے ہیں یا کر لیتے ہیں۔ یہی چند صفحے اگر کسی اچھے مضمون کے لیے نکل آئیں تو بدرجہا بہتر ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے پہلے بھی ایک صاحب نے ''اخبار علمیہ'' کے معیار اور اصول انتخاب پر حرف گیری کی تھی۔

ڈاکٹر عارف نوشاہی، اسلام آباد، پاکستان
naushahiarif@gmail.com

دارالمصنّفین کے لیل ونہار

دارالمصنفین میں مولانا محمد اکرم ندوی کی آمد

مولانا محمد اکرم ندوی مشہور مصنف ہیں۔ ان کا تعلق شیر از ہند جونپور کے گاؤں جمہاں سے ہے۔ انہوں نے ندوۃ العلماء اور لکھنؤیونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر یہاں سے برطانیہ کے آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز گئے اور اب کیمبرج اسلامک کالج کے ڈین ہیں۔ اسلامی علوم وفنون اور دینی موضوعات پر تحقیق کو انہوں نے اپنا مشغلہ و مشن بنالیا۔ اردو، عربی اور انگریزی میں درجنوں کتابیں اور سفر نامے اب تک منظر عام پر آچکے ہیں۔ علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور دارالمصنّفین سے ان کو خاص لگاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالقلم، دمشق کے اعلام المسلمین سلسلے کے تحت جب ان کو کام کا موقع ملا تو انہوں نے ہندوستانی علما میں پہلے شبلی النعمانی علامۃ الہند الادیب والمؤرخ الناقد الاریب اور اس کے بعد السید سلیمان الندوی امیر علماء الہند فی عصرہ وشیخ الندویین کے نام سے عربی میں کتاب تالیف کی۔ یہ دونوں کتابیں ۲۰۰۱ء میں دارالقلم، دمشق نے شائع کی ہیں۔ ان کی علمی فتوحات میں سب سے اہم کارنامہ **الوفاء باسماء النساء** کے نام سے تینتالیس جلدوں میں ہے۔ اس میں محدثات اور پڑھی لکھی مشہور خواتین اسلام کا تذکرہ ہے اور اس کے پیچھے ان کے بہ قول مغرب کے اس بے بنیاد اعتراض کا جواب دینا مقصود تھا کہ مسلمان عورتیں علم وفضل سے عاری اور پڑھی لکھی نہیں ہوتی ہیں۔

مولانا محمد اکرم ندوی ۱۵؍مارچ کی صبح اپنے بعض احباب کے ساتھ دارالمصنفین کی زیارت اور ادارہ کی بعض مطبوعات خریدنے کے لئے تشریف لائے۔ ان کے اعزاز میں کتب خانہ میں ایک نشست منعقد کی گئی۔ مولانا نے کم عمری میں علم و تحقیق کی جو خدمت کی ہے وہ موجودہ نسل بالخصوص نوجوانوں کے لیے مثال اور ان کے حوصلوں کو مہمیز کرتی ہے۔ مولانا نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں یہاں آیا۔ اس سے پہلے بھی مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب مرحوم کے زمانہ میں آچکا ہوں۔ دارالمصنفین نے تحقیق و تصنیف کی جو خدمت انجام دی ہے اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ برصغیر پاک وہند میں ایسے ادارے قائم ضرور ہوئے لیکن زیادہ تر شعلۂ مستعجل ثابت ہوئے۔ یہ شبلی وسلیمان اور ان کے جانشینوں کا خلوص ہے کہ پچھلی ایک صدی سے یہ ادارہ الحمدللہ آج تک اپنے ماضی کی تابناک یادوں کے ساتھ باقی وجاری ہے۔ یہاں آپ لوگوں سے مل کر مجھے بے مثال خوشی حاصل ہوئی۔ انہوں نے سید صاحب کی تاریخ ارض القرآن کا اپنا عربی ترجمہ بھی ادارہ کو پیش کیا۔ متعدد اہم کتابوں کے مرتب اور مشہور مصنف مولانا ضیاء الحق خیر آبادی بھی اتفاق سے آگئے اور انہوں نے بھی مولانا سے ملاقات کی اور اپنی نئی کتاب تاریخ خیر آباد اور تذکرہ علماودانشوراں اور معاون رفیق دارالمصنفین مولوی فضل الرحمن اصلاحی قاسمی نے اپنی کتاب مباحث القرآن مولانا کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی۔

ک۔ ص۔ اصلاحی

رسید کتب موصولہ

اعظم گڑھ (ہندی): جناب منوج بھاردواج، اسٹوری میرر، انفوٹک پرائیویٹ لمیٹڈ، پہلا مالا، پوتی پلازا، میرا انندانی گارڈنس، پوتی، ممبئی۔ صفحات ۲۰۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۲۵۰ روپئے

افادات شبلی: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، صفحات ۲۲۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۳۵۰ روپئے

تاریخ خیر آباد اور تذکرۂ علما و دانشوراں: مولانا عبداللہ خالد قاسمی، مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، مکتبہ احسان لکھنؤ۔ صفحات ۴۴۰۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۴۰۰ روپئے

جدید عربی ادب اور ادبی تحریکات: ڈاکٹر ابو عبید، البدر بک ڈپو سرائے میر اعظم گڑھ۔ صفحات ۴۲۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۰ء قیمت ۲۵۱ روپئے

حق و باطل کی کشمکش (سورۂ کہف کی روشنی میں) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مرتب محمد ارمغان بدایونی ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ۔ صفحات ۲۲۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۱۰۰ روپئے

تعلیم و دعوت: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، دفتر نظامت ندوۃ العلما ٹیگور مارگ، لکھنؤ۔ صفحات ۲۰۷۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت ۱۵۰ روپئے

شبستان محبت شرح عرفان محبت: مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی مکتبہ الثبات العلمیہ لکھنؤ۔ صفحات ۲۵۴۔ سال اشاعت و قیمت درج نہیں۔

عبادت: ابو حمود عبدالسمیع، مدرسہ زید بن ثابت، سانتھا بازار، سنت کبیر نگر، یوپی۔ صفحات ۲۴۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت درج نہیں۔

دی سلطانز آف دلی اینڈ اسلامک شریعہ: پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی، براؤن بکس، اپوزٹ بلائنڈ اسکول قلعہ روڈ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔ صفحات ۱۵۱۔ سال اشاعت ۲۰۲۰ء قیمت ۳۰۰ روپئے۔

نوائے آرزو: ترتیب شاہد اقبال، محلہ گنگوارہ پوسٹ سارا موہن پور، دربھنگہ (بہار)۔ صفحات ۹۶۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت ۲۵ روپئے۔

مضمون نگاروں کے لئے اعلان

۱۔ مضمون صرف ورڈ MS Word پروگرام میں، جمیل نوری نستعلیق فانٹ، پوائنٹ ۱۴ میں بذریعہ ایمیل بھیجیں۔ایمیل کا پتہ: info@shibliacademy.org

۲۔ اگر مضمون مخطوطہ حالت میں دستی یا ڈاک سے بھیجا جارہا ہے تو براہ کرم کاغذ کے صرف ایک طرف اچھا حاشیہ چھوڑ کر لکھیں اور مضمون کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔

۳۔ ہر صفحے کے حوالہ جات اسی صفحے پر نیچے حاشیے پر نمبروار لکھیں۔

۴۔ آسان اور عام فہم زبان استعمال کریں۔

۵۔ حوالے اس ترتیب سے ہوں: مصنف، کتاب کا نام، ناشر، جگہ، سال، جلد (اگر ایک سے زیادہ جلد ہو)، ایڈیشن (اگر طبع اول کے بعد کا ایڈیشن ہو)، صفحہ، صفحات۔

۶۔ مضمون A4 سائز کے ۶۔۲۰ صفحات کے درمیان ہو اور ہر مضمون اپنی جگہ مکمل ہو۔

۷۔ معارف میں حتی الامکان سلسلہ وار مضامین نہیں شائع کئے جائیں گے۔

۸۔ معارف میں صرف غیر مطبوعہ مضامین و مقالات کو جگہ دی جائے گی۔ کہیں اور چھپنے کے لئے بھیجا گیا مضمون قابل قبول نہیں ہوگا۔

۹۔ نئے مضمون نگار اپنے مضامین کو معارف بھیجنے سے پہلے اپنے اساتذہ یا معتبر اہل علم کو دکھالیں۔

۱۰۔ نئے مضمون نگار اپنے مضمون کے ساتھ اپنی مختصر کوائف نیز پورا پتہ بشمول موبائل اور ایمیل پتہ بھی بھیجیں۔

۱۱۔ ہر مقالے کے ساتھ یہ وضاحت ہو کہ یہ مقالہ پہلے کہیں نہیں چھپا ہے اور اسے چھپنے کے لئے کہیں اور نہیں بھیجا جارہا ہے۔

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000
موازنہ انیس و دبیر	350
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30
الفاروق	350
الغزالی	300
المامون	175
سیرۃ النعمان	300
سوانح مولانا روم	220
شعر العجم (اول)	250
شعر العجم (دوم)	150
شعر العجم (سوم)	125
شعر العجم (چہارم)	200
شعر العجم (پنجم)	150
مکاتیب شبلی (اول)	150
مکاتیب شبلی (دوم)	190
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350
خطبات شبلی	150
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2800
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100
سفر نامہ روم و مصر و شام	200
کلیات شبلی (اردو)	220
کلیات فارسی (فارسی)	--
مقالات شبلی اول (مذہبی)	170
مقالات شبلی دوم (ادبی)	70
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	170
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	200
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	150
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	150
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	100
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	110
الندوہ (۹ جلدیں)	4735
اسلام اور مستشرقین (چہارم)	250
الکلام	250
علم الکلام	200
انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی)	200

ISSN 0974-7346 Maarif (Urdu) Print **MAY 2022** Vol. 209/5

RNI No. 13667/57 MAARIF AZM/NP-43/022

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O. Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P., India

Tel. 06386324437 Email: info@shibliacademy.org